سیر روحانی (۶)

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۶)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۱ء بر موقع جلسہ سالانہ ربوہ)

عالَمِ روحانی کا دیوانِ خاص

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

''مَیں نے گزشتہ سال اسلام کے دیوانِ عام کے متعلق تقریر کی تھی اور بتایا تھا کہ دلّی کی سیر میں ہم نے دیوانِ عام دیکھے جو آج اُجڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ جہاں انگریزوں کے چپڑاسی تو بڑی شان سے پھرتے تھے اور مُغلوں کی نسلیں چُھپتی پھرتی اور نظریں بچاتی پھرتی تھیں اور مَیں نے بیان کیا تھا کہ قرآن کریم میں ایک دیوانِ عام کا ذکر آتا ہے جو کبھی غیر آباد نہیں ہوتا، جو کبھی دشمن کے قبضہ میں نہیں جاتا اور جس کو دیکھ کر مؤمنوں کے دلوں میں کبھی بھی حسرت پیدا نہیں ہوتی۔ آج میں اس مضمون کے تسلسل میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام نے دیوانِ عام ہی نہیں بلکہ ایک دیوانِ خاص بھی پیش کیا ہے اور اسلام کے دیوانِ خاص کے مقابلہ میں ان بادشاہوں کے بنائے ہوئے دیوانِ خاص اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتے جتنی ایک زندہ ہاتھی کے مقابلہ میں اُن مٹّی کے بنے ہوئے ہاتھیوں کی حیثیت ہوتی ہے جنہیں کھلونوں کے طور پر خانہ بدوش عورتیں بیچتی پھرتی ہیں۔

دیوانِ خاص کی اغراض

دیوانِ خاص کیا چیز تھی؟ دیوانِ خاص شاہی قلعوں میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی عمارت یا

وسیع ہال ہؤا کرتا تھا جو گویا خاص ملاقات کا کمرہ ہوتا تھا اس میں بادشاہ بیٹھتے تھے، شہزادے بیٹھتے تھے اور وہ وزراء، امراء جن سے امورِ مملکت کے متعلق مشورے لئے جاتے تھے بیٹھتے تھے عام لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اِسی طرح بادشاہ اگر کسی کو گورنر مقرر کرتے یا کمانڈر اِنچیف مقرر کرتے یا اَور کسی بڑے عُہدہ پر مقرر کرتے تو ان کو وہاں بُلوایا جاتا تھا اور بادشاہ کی طرف سے وزراء اور امراء کے سامنے اعلان کیا جاتا تھا کہ ہم فلاں شخص کو گورنر مقرر کرتے ہیں یا کمانڈر اِنچیف مقرر کرتے ہیں یا جرنیل مقرر کرتے ہیں یا فلاں بڑے عُہدہ پر مقرر کرتے ہیں۔ یا اگر کوئی خادمِ قوم یا خادمِ مُلک کوئی بڑی بھاری خدمت بجالاتا تو اُس کو بلایا جاتا اور اِن سب وزراء اور امراء کے سامنے اُس کا اعزاز و اِکرام کیا جاتا اور کہا جاتا کہ اس کو یہ خلعت دی جاتی ہے یا اس کی عزت افزائی میں اسے یہ انعام دیا جاتا ہے۔ یا اہم ملکی مسائل پیش ہوتے اور بادشاہ ضروری سمجھتا کہ وزراء سے مشورہ لینا چاہئے تو اس مجلس میں جو لوگ مقررہ اوقات پر جمع ہوتے تھے اُن کے سامنے ان امور کو پیش کیا جاتا اور درباری اپنی اپنی رائے اور مشورہ دیتے یا جس جس سے پوچھا جاتا وہ رائے دیتا اور اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ایک فیصلہ صادر ہو جاتا۔

گویا ''دیوانِ خاص کے قیام کی چار اہم اغراض ہؤا کرتی تھیں۔

اوّل بادشاہ کا اپنے وزراء کو اپنے قُرب میں جگہ دینا اور ان کا اعزاز کرنا یا مختلف مناصب پر اُن کا تقرر کرنا یا انہیں برطرف کرنا۔

دوم بادشاہ کا ان سے خاص امور کے بارہ میں مشورہ لینا اور خاص امور کے بارہ میں مشورہ دینا جن سے وہ اپنے فرائض کو عمدگی سے ادا کرسکیں۔

سوم اپنی مشکلات میں ان سے مدد لینا اور اُن کی مشکلات میں اُن کو مدد دینے کے وعدے کرنا۔

چہارم ان کے اچھے کاموں پر انعام و اکرام دینا اور بُرے کاموں پر سرزنش کرنا۔

یہ وہ چار اغراض ہیں جن کے ماتحت ''دیوان خاص'' قائم کئے جاتے ہیں۔

دُنیوی بادشاہوں میں حقیقی محبت کا فُقدان

مگر مَیں نے دیکھا کہ بادشاہ جب اپنے درباریوں کو کوئی اعزاز دیتے تھے تو ان کا اعزاز محض قانونی ہوتا تھا۔ چنانچہ پہلی بات تو یہی ہے کہ بادشاہ اپنی محبت کا اور اپنے تعلقات کا اور اپنے اخلاص کا تو اظہار کرتا تھا لیکن بادشاہ کو ان لوگوں سے حقیقی محبت نہیں ہوتی تھی اس کی اصل محبت اپنے بیوی بچوں سے ہوتی تھی۔ یہ کبھی بھی نہیں ہوتا تھا کہ کسی شخص نے بڑی قربانی کی ہو اور اس نے اپنا تخت اُس کے سپرد کر دیا ہو یا اپنے اختیارات جو نیابت کے ہیں اُس کے سپرد کر دیئے ہوں۔ اس کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ میں اپنی اولاد کی طاقت کو مضبوط کروں اور اُن کے لئے راستہ صاف کروں گویا یہ خدمت کرنے والے لوگ ایک قسم کے اجیر ہوتے تھے۔

نمائشی انعامات اور خطابات

(۲) پھر بسا اوقات جو انعام ملتے تھے محض نمائشی ہوتے تھے اور خدمت کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً اپنے زمانہ کو ہی لے لو۔ ابھی انگریزوں کی یاد تازہ ہے وہ کہتے تھے کہ فلاں کو خطاب دیا جاتا ہے اب وہ ''خان صاحب'' ہو گئے ہیں اور فلاں ''خان بہادر'' ہو گئے ہیں اور حقیقت یہ ہوتی تھی کہ بسا اوقات خان بہادر صاحب کی چارپائی کے نیچے چُوہا بھی ہلے تو اُن کی جان نکل جاتی تھی لیکن وہ خان بھی تھے اور بہادر بھی تھے۔ گویا بادشاہ اُن کو ''خان بہادر'' تو بنا دیتا تھا لیکن حقیقتاً نہ وہ خان بنتے تھے اور نہ بہادر ہوتے تھے۔ یا مثلاً آجکل پٹھان بھی خان کہلاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے زمانۂ حکومت میں انہوں نے بڑے بڑے کام کئے تھے جن سے دنیا میں اُن کا شُہرہ ہؤا اور اُنہیں خطابِ عزّت کے طور پر خان صاحب کا نام دے دیا گیا۔ چنانچہ اُس زمانہ میں جو بادشاہ ہوتے تھے یا نواب اور امراء ہوتے تھے اُن کی عظمت کی وجہ سے انہیں خان ہی کہا جاتا تھا۔ مغل بھی اپنے ابتدائی زمانہ میں خان کہلاتے تھے بلکہ بچپن میں جب مَیں اپنے شجرۂ نسب کو سُنتا تو میں حیران ہوتا تھا کہ پہلے کہا جاتا ہے فلاں خان، فلاں خان، فلاں خان۔ اور پھر شروع ہو جاتا ہے فلاں بیگ، فلاں بیگ، فلاں بیگ۔ مَیں حیران

ہوتا تھا کہ یہ خان کہاں سے آ گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ خان ایک اعزاز کا لفظ تھا مگر آہستہ آہستہ اتنی کثرت سے قوم میں بڑے لوگ پیدا ہوئے کہ اُن کی کثرت کی وجہ سے ساری قوم ہی خان کہلانے لگ گئی اور اب تک کہلاتی ہے۔ ہر پٹھان جب تمہیں نظر آئے گا تم کہو گے خان صاحب! بیٹھئے، خان صاحب! تشریف لائیے، خان صاحب! آپ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ غرض وہ خان کہلاتا ہے مگر وہ تو محض ایک تسلسل کے طور پر خان بن گیا ہے درحقیقت خود اُس نے کوئی بڑا کام نہیں کیا، نہ اُس نے ذاتی طور پر کوئی ایسی قابلیت حاصل کی ہے جس کی وجہ سے اُسے کوئی خاص مقامِ عزّت حاصل ہوتا لیکن انگریز کا بنایا ہوا ''خان صاحب'' بسا اوقات کسی جولاہے کی بیٹی مانگتا تو وہ کہتا تھا نہیں، ہم کُذاتوں کو نہیں دے سکتے۔ انگریز اُسے خان صاحب کہتا تھا اور ہمارے ملک کا جولاہا اسے کُذات کہتا تھا۔ یا اگر کوئی خان صاحب سید یا مغل یا پٹھان ہوتے تو وہ خان صاحب یا خان بہادر سمجھ کر اسے عزت نہیں دیتا تھا بلکہ سید یا مغل یا پٹھان ہونے کی وجہ سے عزت دیتا تھا۔ گویا لوگ اس نسل کی وجہ سے یا اس رشتہ داری کی وجہ سے تو عزت کرتے تھے جو اسے اپنے باپ دادا کی وجہ سے حاصل ہوتی تھی لیکن اس عزت کی وجہ سے جو اسے گورنر جنرل کی طرف سے ملتی تھی اسے اپنے خاندان کا حصہ بنانے کے لئے تیار نہیں تھے۔

انگریزی خطابات حاصل کرنے والوں کی کیفیت

پھر بعض کو اُس زمانہ میں ''سر'' کا خطاب دیا جاتا تھا اب ''سر'' کے معنے جناب کے ہیں لیکن حقیقتاً بعض ''سر'' ایسے ذلیل ہوتے تھے اور ایسی پاجیانہ حرکتیں کرتے تھے کہ لوگ انہیں گالیاں دیتے تھے۔ پھر انگریز کے زمانہ میں خطاب ہوتے تھے سٹار آف انڈیا (Star of India) یا گرینڈ کراس آف انڈین ایمپائر (Grand Cross of Indian Empire) یعنی بڑی صلیب دیدی گئی لیکن بڑی صلیب لینے والے جو لوگ تھے ان میں سے کئی صلیب کے شدید دشمن ہوتے تھے۔ کئی مسلمان جن کے دلوں میں غیرت ہوتی تھی اُن کا جی چاہتا تھا کہ موقع ملے تو صلیب کو توڑ ڈالیں۔ کہلاتے تھے وہ بڑی صلیب کے حامل لیکن ان کے دل میں یہ ہوتا تھا کہ ہم چھوٹی

صلیب کے بھی حامل نہیں۔ یہ خطاب کیا ہوا کہ جس کو خطاب دیا جاتا ہے وہ اس کو ذلیل سمجھتا ہے، وہ اس کو حقیر سمجھتا ہے، وہ اس کو ناقابلِ اعتناء سمجھتا ہے، وہ اس کو قابلِ ہلاکت سمجھتا ہے۔ مغلوں کے زمانہ میں اعتمادُ الدولہ اور نظامُ الملک کے خطاب ملتے تھے لیکن وہی اعتمادُ الدولہ اور نظامُ الملک دوسرے دن فوج لے کر بادشاہ کے خلاف لڑنے کے لئے آجاتے تھے۔ نہ دولت کا ان پر کوئی اعتماد ہوتا تھا نہ ملک کے نظام کے ساتھ ان کی کوئی وابستگی ہوتی تھی۔ دیکھ لو نظام حیدر آباد کو نظامُ الملک کا خطاب حاصل تھا لیکن اورنگ زیب کے بعد اس نے ملک کی آزادی کا اعلان کر دیا اور بعد میں انگریزوں کے ساتھ مل گیا۔ اب بھی موجودہ نظام نے شروع میں ہندوؤں سے لڑنے کے لئے اپنی قوم کو اُبھارا اور اُکسایا جب قوم لڑنے کے لئے کھڑی ہوگئی تو اُس نے حکومت کو چِٹھی لکھ دی کہ بندہ تو حضور کا غلام ہے یہ لوگ باغی ہو کر لڑائی کر رہے ہیں جس طرح ارشاد ہو کیا جائے گا۔

شہزادوں کی غدّاری

اِسی طرح ان بادشاہوں کی اولاد بسا اوقات خود اپنے باپ کی وفات کی متمنی ہوتی تھی۔ باپ صاحب بیٹھے ہوئے اپنے وزیروں سے کہتے تھے کہ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ لوگ ہمارے خاندان کے وفادار ثابت ہوں گے اور ہماری اور ہماری نسل کی بہی خواہی کریں گے۔ اور بیٹا پاس بیٹھا ہوا اِس امید میں ہوتا تھا کہ رات کو موقع ملے تو کسی کی معرفت یا خود اُسے قتل کر کے تخت پر بیٹھ جائے۔

درباریوں کی سازشیں

پھر اِسی دربار میں جہاں بادشاہ کی طرف سے اعزاز مل رہا ہوتا تھا بسا اوقات جس کو اعزاز مل رہا ہوتا تھا وہ کسی بیگم یا شہزادہ یا شہزادی سے مل کر بادشاہ کے خلاف منصوبہ کر رہا ہوتا تھا۔ اِدھر اعزاز مل رہا ہوتا تھا اور اُدھر سازباز جاری ہوتی تھی کہ اِس کو مٹا دیا جائے۔

ایک ہندو اخبار تھا اُس کا یہ طریق تھا کہ وہ بڑے بڑے لوگوں کے راز معلوم کر کے پھر کہانی کے طور پر اُن کو شائع کیا کرتا تھا اور اِس سلسلہ کا نام اُس نے ''چُوں چُوں کا مربہ'' رکھا ہوا تھا۔ یہ سلسلہ مضامین اخبارِ عام میں بھی چھپتا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے پاس یہ اخبار آیا کرتا تھا۔ اس میں ایک ریاست کا واقعہ لکھا تھا اُس وقت تو مجھے معلوم نہیں تھا بعد میں پتہ چلا کہ یہ کپورتھلہ کی ریاست کا واقعہ تھا۔ کپورتھلہ کا راجہ جو پارٹیشن کے وقت تک زندہ تھا اب سُنا ہے فوت ہو چکا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ راجہ کی اولاد میں سے نہیں تھا بلکہ اُس کا باپ ایک جج تھا جس کو مَیں نے بھی دیکھا ہے (اصل راز کو اللہ بہتر جانتا ہے)۔ میں ایک دفعہ کپورتھلہ گیا تو دوستوں نے مجھے دکھایا تھا وہ اُس وقت کسی کام کیلئے پیلس میں آیا ہوا تھا دوستوں نے بتایا کہ یہ شخص جو پھر رہا ہے راجہ کا باپ ہے۔ مَیں نے پوچھا کہ باپ جب دربار میں آتا ہے تو راجہ کی کیا حالت ہوتی ہے؟ کہنے لگے وہ ہمیشہ کتراتا ہے اور جب بھی کوئی ایسا موقع آئے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنالیتا ہے اور ملنے میں شرم اور ذلّت محسوس کرتا ہے۔

بہرحال اِس اخبار میں یہ واقعہ لکھا تھا کہ پہلے زمانہ میں کپورتھلہ کے راجہ کی دو رانیاں تھیں اور دونوں کے اولاد نہیں تھی وہ دونوں ایک دوسری سے رقابت رکھتی تھیں۔ کچھ درباری ایک طرف تھے اور کچھ دوسری طرف۔ جس نے ایک کی غیبت کرنی ہو وہ دوسری کے پاس چلا جاتا اور جس نے دوسری کی غیبت کرنی ہو وہ اس کے پاس آجاتا۔ یہ جھگڑے بڑھ گئے تو آخر ایک پارٹی کے لوگوں نے سوچا کہ کب تک راجہ اور کب تک رانیاں، یہ مرا تو خبر نہیں انگریز کس کو لاکر بٹھا دیں، اس لئے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ مستقل طور پر ہمارا دبدبہ قائم رہے۔ یہ سوچ کر اُنہوں نے ایک رانی کو اپنے ساتھ ملایا اور اُسے سکھایا کہ وہ مشہور کر دے کہ مجھے حمل ہے۔ چنانچہ وہ اِس بات پر راضی ہوگئی اور تجویز یہ ہوئی کہ نویں مہینہ مشہور کر دیا جائے گا کہ بچہ پیدا ہو گیا ہے ادھر دو تین جگہ سے جن کے ہاں اُنہی دنوں میں بچے پیدا ہونے والے تھے وعدے لے لئے گئے کہ جس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا وہ اپنا لڑکا دے دیگا۔ انہوں نے انتظام یہ کیا ہوا تھا کہ جس دن بچہ پیدا ہو رانی فوراً بیمار بن کر بیٹھ جائے گی اور اُس کی گود میں بچہ ڈال کر سب کو دکھا دیا جائے گا کہ رانی کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ اتفاقاً اُسی شخص کا جو اُس وقت سرِ شتہ دار تھا اور بعد میں ہائی کورٹ کا جج بن گیا بچہ پیدا ہوا جو راجہ کا بیٹا قرار دیدیا گیا۔ انہوں نے یہ منصوبہ کر کے

تمام شہر میں مشہور کر دیا کہ رانی حاملہ ہے۔ راجہ محسوس کرتا تھا کہ یہ بات غلط ہے اس کی بڑی عمر ہو چکی تھی اور وہ سمجھتا تھا کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوسکتی۔ اُس کے دل میں شُبہ پیدا ہوا اور اُس نے ناراضگی کا اظہار شروع کر دیا کہ یہ بڑی غیر معقول بات ہے یہ دھوکا اور فریب ہے جو مجھ سے کیا جا رہا ہے۔ اس سے دوسری رانی کو موقع مل گیا اور اس نے کہا یہ دھوکا فلاں فلاں وزیر کر رہا ہے۔ راجہ نے ان کے خلاف باتیں کرنی شروع کر دیں اور ادھر گورنمنٹ کو لکھ دیا کہ کہا جاتا ہے کہ رانی حاملہ ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے، رانی ہرگز حاملہ نہیں۔ مگر جہاں حکومت کا ایک بڑا حصہ سازش میں شریک ہو وہاں کسی لیڈی ڈاکٹر کا خرید لینا کونسی مشکل بات تھی۔ چنانچہ معائنہ کرایا گیا اور لیڈی ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ رانی حاملہ ہے۔ جب یہ جھگڑا بڑھا تو گورنمنٹ کے پاس رپورٹ کی گئی۔ اُس وقت راجے وائسرائے کے ماتحت نہیں ہوتے تھے بلکہ پنجاب کے، پنجاب کے گورنر کے ماتحت اور یو، پی کے یو، پی کے گورنر کے ماتحت ہوتے تھے اور پھر آگے ان کا براہِ راست تعلق کمشنر کے ساتھ ہوتا تھا۔ جب رپورٹ کی گئی تو پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر نے کمشنر کو لکھا کہ تحقیقات کر کے فیصلہ کرو جھگڑا لمبا ہو رہا ہے۔ ادھر سے اُس پارٹی کے افراد نے رپورٹ کرنی شروع کر دی کہ راجہ پاگل ہو گیا ہے تاکہ راجہ کی باتوں کا ازالہ ہو آخر دونوں طرف کی رپورٹوں پر کمشنر ایک دن سِول سرجن کو ساتھ لے کر چلا۔ چونکہ دوسرے فریق نے خود اس بات کو مشہور کیا تھا اِس لئے اسے بھی خیال تھا کہ کمشنر آ جائے گا۔ انہوں نے پہلے سے ایسا انتظام کیا ہوا تھا کہ دفتر سے پتہ لگ جائے کہ کمشنر کب چلا ہے۔ چنانچہ انہیں پتہ لگ گیا کہ کمشنر فلاں دن آ رہا ہے انہوں نے آدمی مقرر کر دیئے کہ جب اس کی سواری قریب پہنچے تو اشارہ کر دیا جائے کہ کمشنر آ رہا ہے اور پھر اندر بھی انہوں نے انتظام کیا ہوا تھا۔ راجہ تخت پر بیٹھا ہوا اپنے دبدبہ اور شان کا اظہار کر رہا تھا کہ میں تم لوگوں کو سیدھا کروں گا اور تمہیں یوں سزا دوں گا۔ اور اُدھر انہوں نے اُس چپڑاسی کو جو چَوری[1] جھل رہا تھا اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا اور اُس کو سکھایا ہوا تھا کہ جونہی ہم اشارہ کریں تو کان میں جُھک کر راجہ کو ایک بڑی گندی گالی دے دینا۔ بس اِدھر اُنہوں نے اشارہ کیا کہ کمشنر صاحب آ رہے

ہیں اور اُدھر اُس چَوری بردار نے جُھک کر ایک بڑی گندی گالی راجہ کے کان میں دے دی۔ تم سمجھ لو کہ ایک چپڑاسی چَوری بردار ایسی حرکت کرے تو راجہ کی کیا حالت ہوگی وہ واقعہ میں پاگل ہو جائے گا چنانچہ وہ بے تحاشا اُٹھا اور اُس نے ہاتھ اور پاؤں سے اُسے مارنا شروع کر دیا۔ دوسرے لوگ تو چاہتے تھے کہ اس نظارہ کو وسیع کریں چنانچہ دوسری پارٹی میں جو لوگ شامل تھے وہ آگے بڑھے اور انہوں نے کہا حضور! اِس کا کوئی قصور نہیں، حضور! اس پر ایسی سختی نہیں کرنی چاہئے۔ اُسے اَور غصہ آیا اور اُس نے اُن کو بھی مارنا شروع کر دیا۔ اتنے میں کمشنر اور سِول سرجن اندر داخل ہوئے اور سارے درباری ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ حضور! روز ہمارے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے، چنانچہ رپورٹ ہو گئی کہ راجہ پاگل ہو گیا ہے اور اُس کا بیٹا قبول کر لیا گیا جو بڑا ہو کر ریاست کا حکمران بنا غرض یہ یہ کارروائیاں دربارِ خاص میں ہوتی تھیں۔

بیگمات کے جوڑ توڑ

پھر دُنیوی بادشاہوں کے دربارِ خاص میں جوڑ توڑ کے جو نتائج پیدا ہوتے تھے وہ زیادہ تر شہزادوں اور بیگمات کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے کیونکہ اُس زمانہ کے لحاظ سے شہزادے اور بیگمات حکومت کے حق دار سمجھے جاتے تھے بلکہ بہت سے مُلکوں میں تو بیگمات کو اب بھی حکومت میں حصہ دار سمجھا جاتا ہے۔ آج تک انگلستان میں ملکہ تخت نشینی کے وقت بادشاہ کے ساتھ بیٹھتی ہے اور اُس کو ملک کا حصہ دار سمجھا جاتا ہے اور شہزادوں میں سے ہر شہزادہ خود بادشاہت حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا تھا۔ ایک کہتا تھا کہ میرا بڑا بھائی جو اتفاقاً مجھ سے بارہ مہینے پہلے پیدا ہؤا ہے بادشاہ بن جائے گا۔ اگر بارہ[12] مہینے پہلے مَیں پیدا ہوتا تو مَیں بادشاہ بن جاتا، چنانچہ وہ کہتا ہے اس کو مارو میں بادشاہ ہو جاتا ہوں۔ اگلا کہتا ہے اس کو مارو میں ہو جاتا ہوں۔ شاہجہان کے زمانہ میں اِس کی زندگی میں ہی بیٹوں نے کہا کہ یہ تو نہ معلوم کب مرے پہلے اپنے لئے میدان تیار کرو۔ چنانچہ دارا اور مراد اور شجاع اور اورنگ زیب نے لڑ لڑا کر اپنے باپ کی حکومت کو ختم کر دیا۔ بادشاہ کی تخت نشینی کی جو ساری مدت بتائی جاتی ہے اس میں سے پچاس فیصدی زمانہ ایسا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بادشاہ سلامت

اتنا عرصہ قید رہے۔

قرآنی دربارِ خاص کی نرالی شان

ان دُنیوی بادشاہوں کے دربارِ خاص کے مقابلہ میں مَیں نے قرآنی دربارِ خاص کو دیکھا تو مجھے اِس کی شان ہی اور نظر آئی۔ مَیں نے دیکھا کہ یہ بادشاہ جو قرآنی دربارِ خاص کا مالک تھا اولاد اور بیویوں سے بالکل آزاد تھا اس لئے یہاں اِس قسم کے جوڑ توڑ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ نہ اِس بات کا کوئی سوال تھا کہ درباریوں کی محبت اور درباریوں کے اخلاص کو بانٹنے والے لوگ دنیا میں موجود ہیں اور نہ اس بات کا کوئی سوال تھا کہ وہ بیٹھا ہؤا مخاطب ہم سے ہے اور غرض یہ ہے کہ ہم سے کام لے کر اپنے بیٹے کی عزّت بڑھائے۔ اِس دربار میں وہ جو بھی عزّت دیتا تھا وہ ہمارے لئے ہی ہوتی تھی کوئی اور اُس کو نہیں چھین سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۲﴾ [۲]

خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور حمد کا گہرا تعلق

دیکھو شرک ایک بڑی اہم چیز ہے اور تمام اسلام کی بنیاد اِس کے ردّ پر ہے، تمام مذاہب کی بنیاد اس کے ردّ پر ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ شرک کی تردید کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا کیا تعلق ہے؟ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تو انسان اسی صورت میں کہہ سکتا ہے جب اس کا نتیجہ ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ اگر ایک خدا ہونے سے ہمیں کوئی خاص فائدہ پہنچتا ہے تو پھر بے شک ہم کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ خدا ایک ہے ورنہ جہاں تک خدا کے ایک ہونے کا سوال ہے یہ ایک صداقت ہے جسے ماننا پڑتا ہے مثلاً سورج ایک ہے کہنا پڑتا ہے کہ ایک ہے۔ سامنے پہاڑ ہو ماننا پڑے گا کہ پہاڑ ہے مگر یہ تو نہیں کہیں گے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یہ پہاڑ ہے کیونکہ ہمارے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن اگر ہمیں گرمی لگ رہی ہو اور اُس وقت ٹھنڈی ہوا چل پڑے تو ہم کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہم خالی ہوا کے چلنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہہ رہے ہیں بلکہ ہم ہوا کے

اُس اثر پر اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہتے ہیں جو ہم پر پڑ تا ہے۔ اِسی طرح یہاں فرماتا ہے۔ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ۔ شکر ہے کہ خدا کا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیوی، نہیں تو ہمارے دربارِ خاص کا بھی وہی حال ہوتا جو دُنیوی درباروں کا ہوتا ہے کہ قربانیاں ہم کرتے اور بادشاہ کہتا کہ بیٹے صاحب کو تخت دے دیا جائے یا بیوی صاحبہ کی خوشامد کرنی پڑتی جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

بادشاہوں کے لئے اپنی جانیں قربان کرنیوالوں کا حسرتناک انجام

درباریوں کو ہر وقت یہی مصیبت رہتی تھی کہ اِدھر بیویوں کو خوش کرو اور اُدھر شہزادوں کو خوش کرو گویا قربانیاں کرنے والے اَور، مرنے والے اَور، جہاد کرنے والے اَور، اپنے مال اور جائدادیں لُٹانے والے اَور، اور بادشاہت کرنے والے شہزادے اور بیگمات۔ تو فرماتا ہے وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ دنیا میں قاعدہ یہ ہے کہ جو بادشاہ ہوتے ہیں ان کی اولادیں اور ان کی بیویاں سارا حق لے جاتی ہیں اور قربانیاں کرنے والے ہمیشہ وفادار غلام کہلاتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو کہہ دے میں اُس بادشاہ کا غلام ہوں کہ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ جس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے۔ اس لئے نہ تو اس کی محبت مجھ میں اور ان میں تقسیم ہے، نہ مجھے دو مالکوں کے خوش کرنے کی ضرورت ہے ایک ہی خدا ہے جس سے میرا واسطہ ہے اور اُس کی محبت کسی اور کے ساتھ بٹی ہوئی نہیں خالص میرے لئے ہے۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ پھر درباریوں میں سے بعض لوگ بڑی بڑی عزتیں پا جاتے ہیں اور وہ دربار میں خاص عزّت پا جانے کی وجہ سے بادشاہ پر ایسے حاوی ہو جاتے ہیں کہ بادشاہ سمجھتا ہے کہ بغیر ان کی مدد کے میرا کام نہیں چل سکتا لیکن ہمارا بادشاہ اِس قسم کا نہیں اس

کے دربار میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ ہمارا خدا اس بات کی احتیاج رکھتا ہو کہ وہ اس کی مدد کرے اِسی لئے فرماتا ہے وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا اب تُو نڈر ہو کر خدائے واحد کی تکبیر کر کیونکہ اور کوئی شریک نہیں جو تجھ سے مطالبہ کرے کہ تھوڑی سی تکبیر میری بھی کرلیا کر۔ اس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی اور نہ کوئی شریک ہے۔ وہاں تو ڈرتے ہیں کہ بادشاہ کی تعریف کی تو ولیعہد ناراض ہو جائے گا ولیعہد کی تعریف کی تو چھوٹا شہزادہ ناراض ہو جائے گا یہ ایک ہی دربار ہے جو اِن سارے جھگڑوں سے آزاد ہے۔

خوشامد، جھوٹ اور مداہنت کے اڈّے

حقیقت یہ ہے کہ دُنیوی بادشاہوں کے دیوانِ خاص میں یہ تین لہریں ہی پسِ پردہ چلتی ہیں، بیٹے اپنا رُسوخ چاہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ بِلا استحقاق حکومت ان کی ہو اور قربانی دوسروں کی۔ بیویاں علاوہ اپنے نفوذ کے اپنی اپنی اولاد کی تائید میں امراء کو کرنا چاہتی ہیں۔ ایک کہتی ہے امراء میرے بیٹے کی طرف ہو جائیں اور دوسری کہتی ہے کہ میرے بیٹے کی طرف ہو جائیں۔ غدر کا سارا جھگڑا اِسی وجہ سے ہؤا کہ بعض بیگمات کہتی تھیں ہمارا بیٹا تخت نشین ہو جائے اور دوسری کہتی تھیں ہمارا ہو جائے۔ ظاہر میں بادشاہ کی خدمت کا دعویٰ ہوتا تھا لیکن باطن میں کسی خاص شہزادہ یا ملکہ کی امداد کا دم بھر رہے ہوتے تھے اور پھر ایک دوسرے کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتے تھے۔ قربانی اور اخلاص کی قدر نہیں ہوتی تھی خوشامد اور جھوٹ کی قدر ہوتی تھی۔ یا بعض دفعہ کوئی جابر امیر بادشاہ پر حاوی ہو جاتا تھا اور درباریوں کو اُسے خوش کرنے کی فکر رہتی۔ لیکن قرآن کے دربارِ خاص میں یہ باتیں نہیں۔ وہاں نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیوی، نہ کوئی جابر حاکم ہے بلکہ خالص خدا ہے جس کی نہ چُغلی کی جاسکتی ہے نہ غیبت کی جاسکتی ہے نہ کسی اَور کو خوش کرنے کے لئے اس سے مداہنت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا بادشاہ

پھر دُنیوی بادشاہوں کی اولاد ان کی موت کی متمنی ہوتی تھی اور چاہتی تھی کہ یہ مریں تو ہم بادشاہ ہو جائیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بادشاہ ایک

شخص کو کوئی عُہدہ دیتا تھا لیکن دوسرے دن بادشاہ فوت ہو جاتا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوتا اور وہ اسے ذلیل کر دیتا، لیکن ہمارے دربارِ خاص میں بیٹھنے والا بادشاہ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ[۳] تمہارا بادشاہ وہ ہے جو زندہ ہے کبھی مرنے والا نہیں اس لئے تم کو ڈرنا نہیں چاہئے اس کی طرف سے جو رُتبہ تمہیں ملے گا اُسے کوئی چھیننے گا نہیں۔

دُنیوی خطابات کا انجام

دیکھو انگریزوں نے لوگوں کو خطابات دیئے تھے مگر اب ہندوستان اور پاکستان میں روزانہ اعلان ہوتے ہیں کہ ہم ان خطابات کو چھوڑتے ہیں۔ صرف چند ڈھیٹ ابھی تک ہندوستان میں بھی اور پاکستان میں بھی ایسے ہیں جو اِن خطابوں سے چمٹے بیٹھے ہیں ورنہ باقی سب اپنی اپنی قوم کو خوش کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں کہ مَیں نے ''خان بہادر'' کا خطاب چھوڑا، مَیں نے فلاں خطاب چھوڑا، میں نے ''جی۔سی۔آئی۔ای'' کا خطاب چھوڑا، مَیں نے فلاں خطاب چھوڑا یہ سب لعنتی چیزیں ہیں۔ پہلے اِنہی خطابوں کے لئے خوشامدیں کرتے پھرتے تھے اور اب لعنتی چیزیں بن گئیں کیونکہ بادشاہت بدل گئی یا بادشاہ کی جگہ اُس کا بیٹا آ گیا تو پھر بیٹے کی پارٹی برسرِ اقتدار آ جاتی ہے اور باپ کی پارٹی رہ جاتی ہے۔ لیکن اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کہنے والا فرماتا ہے تمہیں گھبراہٹ کیوں ہو، تمہیں خطرہ کیوں گزرے، تمہارا دل کیوں دھڑکے، تمہارا جس بادشاہ سے تعلق ہے وہ جو خطاب بھی تمہیں دے گا وہ چلتا چلا جائے گا اس کو کوئی دوسرا بادشاہ بدلنے والا نہیں کیونکہ کوئی نئی حکومت نہیں آئے گی۔

بادشاہوں کے خلاف دربارِ خاص میں منصوبے

پھر درباروں میں سازشوں کی وجہ سے یہ بھی ہوتا تھا کہ لوگ چوری چُھپے باتیں کرتے رہتے تھے یعنی بادشاہ کے سامنے تو قصیدے پڑھے جارہے ہوتے تھے اور گھروں میں یا مجلسوں میں یہ کہا جاتا تھا کہ دیکھو! بادشاہ نے فلاں بات کی ہے اور ہمارے حقوق اس نے تلف کر دیئے ہیں اب اِس اِس طرح ہم کو فریب

کرنا چاہئے ، یہ یہ چالاکیاں کرنی چاہئیں یہ دُنیوی بادشاہوں کے دربارِ خاص کے نقائص ہؤا کرتے تھے۔ اس دربارِ خاص کو میں نے دیکھا تو اس کے متعلق لکھا تھا لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤﴾ [۴] فرماتا ہے اِس قرآنی دربارِ خاص کا بادشاہ عالم الغیب ہے۔ اس کا دیا ہؤا انعام راستہ میں کہیں غائب نہیں ہوسکتا۔ یہاں تو یہ تھا کہ بادشاہ نے خلعت پہنایا اور گھر پہنچنے سے پہلے پہلے راستہ میں کسی نے خنجر مار دیا گویا انعام تو ملا مگر انعام سے وہ فائدہ نہ اُٹھا سکا مگر یہ وہ بادشاہ ہے کہ چونکہ یہ عالم الغیب ہے اِس لئے جس شخص کو یہ انعام دیتا ہے اُس کی نگرانی بھی کرتا ہے کہ انعام اُس کو پہنچ جائے اور خواہ کوئی کتنا زور لگالے، کتنی ہی طاقت خرچ کرلے وہ اس خطاب سے محروم نہیں ہوسکتا وہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے اُس کو کون لے سکتا ہے مگر دُنیوی بادشاہوں کی دی ہوئی چیز تو بسا اوقات ضائع ہو جاتی ہے بلکہ بعض دفعہ وہ آپ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر دوسروں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ

ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے شبلیؒ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں یہ امیر گھرانے کے تھے اور بغداد کے بادشاہ کے گورنر تھے۔ وہ کسی کام کے متعلق بادشاہ سے مشورہ کرنے کے لئے اپنے صوبہ سے دارالحکومت میں آئے۔ اُنہی دنوں ایک کمانڈر اِنچیف ایران کی طرف سے ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا جس سے کئی فوجیں پہلے شکست کھا چکی تھیں اُس نے دشمن کو شکست دی اور ملک کو دوبارہ مملکت میں شامل کیا۔ جب وہ واپس آیا تو بغداد میں اس کا بڑا بھاری استقبال کیا گیا اور بادشاہ نے بھی ایک دربارِ خاص منعقد کیا تاکہ اُسے انعام دیا جائے اور اُس کے لئے ایک خلعت تجویز کیا جو اُس کے کارناموں کے بدلہ میں اُسے دیا جانا تھا مگر بدقسمتی سے سفر سے آتے ہوئے اُسے نزلہ ہوگیا دوسری بدقسمتی یہ ہوئی کہ گھر سے آتے ہوئے وہ رومال لانا بھُول گیا۔ جب اُس کو خلعت دیا گیا تو دستور کے مطابق اس کے بعد اُس نے تقریر کرنی تھی کہ مَیں آپ کا بڑا ممنون ہوں آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اور میری تو اولاد در اولاد اس چار گز کپڑے کے بدلے میں

آپ کی غلام رہے گی۔ مگر جب وہ تقریر کے لئے آمادہ ہو رہا تھا تو یکدم اُسے چھینک آئی اور ناک سے بلغم ٹپک پڑا۔ بلغم کے ساتھ اگر وہ تقریر کرتا تو شاید قتل ہی کر دیا جاتا اُس نے گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر ہاتھ مارا جب دیکھا کہ رومال نہیں ملا تو نظر بچا کر اُسی جُبّہ سے اُس نے ناک پونچھ لی۔ بادشاہ نے اسے دیکھ لیا وہ کہنے لگا اُتار لو اِس خبیث کا خلعت۔ یہ ہماری خلعت کی ہتک کرتا ہے اور ہمارے دیئے ہوئے تحفہ سے ناک پُونچھتا ہے۔ اس نے یہ کہا اور شبلیؒ نے اپنی کُرسی پر چیخ ماری اور رونا شروع کر دیا چونکہ دل میں نیکی تھی اور تقویٰ تھا، خدا نے اُن کی ہدایت کے لئے ایک موقع رکھا ہوا تھا انہوں نے چیخ ماری تو بادشاہ نے کہا خفا ہم اِس پر ہوئے ہیں تم کیوں روتے ہو؟ وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا بادشاہ میں اَپنا استعفاء پیش کرتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا یہ کیا بے وقت کی راگنی ہے کیا ہوا تم کو اور کیوں تم استعفاء پیش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا بادشاہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا آخر ہوا کیا؟ انہوں نے روتے ہوئے کہا کہ یہ شخص آج سے دو سال پہلے اس جگہ سے نکلا تھا اور ایک ایسی مُہم پر بھیجا گیا تھا جس میں ملک کے بڑے بڑے بہادر جرنیل شکست کھا کر آئے تھے اور ایک ایسے علاقہ کی طرف بھیجا گیا تھا جس کا دوبارہ فتح کرنا بالکل ناممکن سمجھا جاتا تھا یہ دو سال باہر رہا۔ یہ جنگلوں میں گیا، یہ پہاڑوں میں گیا اور اِس نے دشمن سے متواتر لڑائیاں کیں، یہ ہر روز مرتا تھا، ہر صبح مرتا تھا، اور ہر شام مرتا تھا، ہر شام اِس کی بیوی سوچتی تھی کہ صبح میں بیوہ ہو کر اُٹھوں گی اور ہر صبح جب وہ اُٹھتی تھی تو خیال کرتی تھی کہ شام مجھ پر بیوگی کی حالت میں آئے گی، ہر شام اس کے بچے سوتے تھے تو سمجھتے تھے کہ صبح ہم یتیم ہوں گے اور ہر صبح اس کے بچے اُٹھتے تھے تو وہ خیال کرتے تھے کہ شام کو ہم یتیم ہوں گے، ایک متواتر قربانی کے بعد اس نے اتنا بڑا ملک فتح کیا اور آپ کی مملکت میں لا کر شامل کیا اس کے بدلہ میں آپ نے اس کو چند گز کپڑا دیا جس کی حیثیت ہی کیا تھی مگر محض اس لئے کہ اس نے مجبوراً اس خلعت سے ناک پونچھ لیا آپ اس پر اتنا خفا ہوئے۔ پھر میں کیا جواب دوں گا اُس خدا کے سامنے جس نے مجھے یہ جسم ایسا دیا ہے جس کو کوئی بادشاہ بھی نہیں بنا سکتا، جس نے مجھے یہ خلعت دی ہے اور میں اس کو تیری خاطر

گندہ کر رہا ہوں مَیں اس کے متعلق اپنے خدا کو کیا جواب دونگا؟ یہ کہہ کر وہ دربار سے نکل گئے مگر وہ اتنے ظالم اور جابر تھے کہ جب مسجد میں گئے اور انہوں نے کہا کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں تو ہر ایک نے یہی کہا کہ کم بخت! کیا شیطانوں کی توبہ بھی کہیں قبول ہوسکتی ہے نکل جا یہاں سے۔

توبہ کی قبولیت

انہوں نے ہر جگہ پھرنا شروع کیا مگر کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ان کی توبہ قبول کرے۔ آخر وہ جنید بغدادیؒ کے پاس پہنچے کہ اس اِس طرح مجھ سے قصور ہوئے ہیں اور اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں قبول ہوسکتی ہے مگر ایک شرط پر۔ پہلے اسے مانو۔ شبلی نے کہا مجھے وہ شرط بتائیں میں ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے کہا اُس شہر میں جاؤ جہاں تم گورنر رہے ہو اور ہر گھر پر دستک دے کر کہو کہ میں تم سے معافی مانگتا ہوں اور جو ظلم تم نے کئے تھے ان کی لوگوں سے معافی لو۔ انہوں نے کہا منظور ہے۔ چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے ہر دروازہ پر دستک دینی شروع کر دی جب لوگ نکلتے وہ کہتے کہ مَیں شبلی ہوں جو یہاں کا گورنر تھا مَیں قصور کرتا رہا ہوں، خطائیں کرتا رہا ہوں اور تم لوگوں پر ظلم کرتا رہا ہوں اب میں اس کی معافی طلب کرتا ہوں۔ لوگ کہہ دیتے کہ اچھا ہم نے معاف کر دیا لیکن نیکی کا بیج ہمیشہ بڑھتا اور رنگ لاتا ہے دس بیس گھروں سے گزرے تو سارے شہر میں آگ کی طرح یہ بات پھیل گئی کہ وہ گورنر جو کل تک اتنا ظالم مشہور تھا وہ آج ہر دروازہ پر جا جا کر معافیاں مانگ رہا ہے اور لوگوں کے دلوں میں روحانیت کا چشمہ پُھوٹا اور انہوں نے کہا ہمارا خدا کتنا زبردست ہے کہ ایسے ایسے ظالموں کو بھی نیکی اور توبہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ پھر تو یہ ہوا کہ شبلیؒ جنیدؒ کے کہنے کے ماتحت ننگے پاؤں ہر دروازہ پر جا کر دستک دیتے تھے لیکن بجائے اس کے کہ دروازہ کُھل کر شکوہ اور شکایت کا دروازہ کُھلتا اندر سے روتے ہوئے لوگ نکلتے اور کہتے تھے کہ آپ ہمیں شرمندہ نہ کریں آپ تو ہمارے لئے قابلِ قدر وجود ہیں اور ہمارے روحانی بزرگ ہیں آپ ہمیں اس طرح شرمندہ نہ کریں۔ غرض سارے شہر سے انہوں نے معافی لی اور پھر وہ جنیدؒ کے پاس

آئے اور انہوں نے توبہ قبول کی اور انہیں اپنے شاگردوں میں شامل کیا اور اب وہ مسلمانوں کے بڑے بڑے اولیاء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

خداتعالیٰ کے عطیہ کی بے حُرمتی

تو دیکھو! شبلی کو کس بات سے ہدایت ملی؟ اس بات سے کہ خدا نے ہم کو کیا کچھ دیا ہے جس کو ہم گندہ اور ناپاک کر رہے ہیں مگر بادشاہ اس دربارِ خاص میں چند گز ریشم کا ٹکڑا چند سنہری تاگے لگے ہوئے یا چند موتی اور ہیرے جڑے ہوئے دیتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ لوگ خود چاہیں تو اس سے بہتر خلعت بنا سکتے ہیں مگر اس لئے کہ ان کی ہتک ہوگئی وہ انہیں ذلیل کر دیتا ہے۔ غرض ان خدمات کے بدلہ میں جو کچھ ملتا تھا وہ اتنا حقیر ہوتا تھا کہ اس کا خیال کر کے بھی انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیا انسان اتنا بھی ذلیل ہو جاتا ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے پیچھے دَوڑتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعامات ملتے ہیں ان میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ کبھی واپس نہیں ہو سکتے اور جس کو انعام ملتا ہے اس کی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اس کی ہتک کرے بلکہ وہ ہمیشہ اس کی عزت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غیر متبدّل انعامات

دنیا میں کوئی ایک لاکھ بیس ہزار نبی جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے گزرا ہے [۵] اور معلوم نہیں کتنی دنیائیں ہیں اور کتنے اور نبی ہوں گے۔ درجنوں پیغمبروں کے حالات تو ہمیں بھی معلوم ہیں مگر کیا تم نے کبھی سُنا کہ فلاں وقت میں فلاں پیغمبر صاحب کے مستعفی ہونے کا وقت آ گیا اور انہیں کہا گیا کہ آپ اب استعفاء دیدیں؟ یا کبھی تم نے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر خفا ہو کر کہا کہ اُتار لو اس کا خلعتِ پیغمبری اور اُس نے اسے چھوڑ دیا ہو؟ اس دربار میں سے جس کو ملتا ہے ہمیشہ کے لئے ملتا ہے اور جس کو ملتا ہے اس کے دل میں اپنے اس عُہدہ کو اتنی عظمت ہوتی ہے اور اتنی قدر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کی قدر کرنے میں اس کی اس طرح مدد کرتا ہے کہ وہ اس عُہدہ کو کبھی نہیں چھوڑتا اور نہ اس کی ہتک کرتا ہے۔

الٰہی دربار میں کسی چھوٹے سے چھوٹے درباری کی ہتک بھی برداشت نہیں کی جاسکتی

پھر مَیں نے دیکھا کہ دُنیوی بادشاہوں کے دیوانِ خاص میں جو امراء ہوتے ہیں ان میں باہم رقابتیں اور بُغض اور کینے پائے جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس الٰہی دربار میں اگر کوئی بڑا ہے تو بڑے نے چھوٹے پر کیا حسد کرنا ہے وہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ کسی چھوٹے کی ہتک ہو جائے یا اس کی کسی رنگ میں تنقیص کی جائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان جن کے مقابلہ میں موسیٰؑ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے تھے، جن کے مقابلہ میں ابراہیمؑ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے تھے، جن کے مقابلہ میں نوحؑ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے، ان موسیٰؑ اور ابراہیمؑ اور نوحؑ سے کم درجہ رکھنے والوں اور موسیٰؑ کے ماتحت نبیوں میں سے ایک یونسؑ نبی ہیں کوئی یہودی کسی جھگڑے میں کہہ دیتا ہے کہ یونسؑ بڑا آدمی تھا مسلمان آگے سے کہہ دیتا ہے محمد رسول اللہ کے مقابلہ میں یونسؑ کی کیا حقیقت ہے۔ اب بجائے اس کے کہ دربارِ خاص کا آدمی خوش ہو کہ میری عزت کی گئی ہے جب اس کو خبر پہنچتی ہے تو اس کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے **لَاتُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ ابْنِ مَتّٰی**[۶] یونس ابن متّٰی پر مجھے فضیلت نہ دیا کرو۔ حالانکہ فضیلت ہے لیکن کسی درباری کی وہ ہتک برداشت نہیں کرتا وہ کہتا ہے چاہے وہ چھوٹا ہی سہی پر تم نے کیوں اس کو چھوٹا کہا؟ تمہارا کام یہی ہے کہ اس کی عزّت کرو کیونکہ وہ خدا کے درباریوں میں سے ہے۔

ابو البشر آدم کی پیدائش پر دربارِ خاص کا انعقاد

اب میں ایک دربارِ خاص کا ذکر کرتا ہوں جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۳﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۴﴾ کے فرمایا دربارِشاہی لگا اور ملائکہ جمع ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقام ایک شخص کو عطا کیا تھا جس کی توثیق کی جانی تھی اور جس کے متعلق اس دربار میں آخری اعلان کرنا تھا۔ وہ مقام ابوالبشر آدم کے لئے تجویز کیا گیا تھا جسے عالَمِ انسانی میں جلوۂ الٰہی کی ایک نئی تجلّی کے ظاہر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ملائکہ نے اس بات کی ابتدائی خبر سن کر کہا کہ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس انسان کی ضرورت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہیں اس کی ضرورت عملی طور پر دکھا دینگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام تجلیات جن کو وہ نئی شکل میں دکھانا چاہتا تھا آدم کے اندر ودیعت کر دیں اور پھر آدم کو ان کے سامنے بُلایا اور وہ تجلیات اس میں سے ظاہر ہوئیں۔ جس طرح فلم چلتی اور اس میں سے تصویریں نکلتی ہیں اسی طرح آدم کے وجود سے ان تجلّیات کا ظہور شروع ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ اگر تمہارا دعویٰ صحیح تھا تو تم مجھے بتاؤ کہ کیا تم ان تجلّیات کی پوری کیفیت بیان کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا اے خدا! تُو پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی آتا ہے جتنا تُو نے ہمارے اندر رکھا ہے تُو سب کچھ جانتا ہے اور تیرے سارے کام حکمت پر مبنی ہیں جس کے سپرد تو کوئی کام کرتا ہے اُس کی طاقتیں بھی اس کے اندر ودیعت کر دیتا ہے۔ پھر فرمایا اے آدم! ہم نے جو علم تیرے اندر رکھے ہیں اور جو تجلیات تم سے ظاہر ہونے والی ہیں اُن کو ظاہر کرو۔ چنانچہ آدم نے ان تجلیاتِ مخفیہ کو اور ان صفاتِ انسانیہ کو جو اس کے لئے مخصوص تھیں ظاہر کیا پھر فرمایا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۴﴾ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ مجھے زمین و آسمان کی وہ باریک باتیں معلوم ہیں جو تم معلوم نہیں کر سکتے اور ایک ایسے نئے وجود کی ضرورت ہے جو میرے ان علوم کو ظاہر کر سکے جو تم پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔

آدم کی اہلیت کا اعلان

یہ ایک دربار ہے جو اللہ تعالیٰ نے لگایا اس دربار کی غرض آدم کو مقامِ انسانیت پر فائز کرنا یعنی اسے ابوالبشر بنانا تھا گویا یہ نہایت ہی اعلیٰ درباروں میں سے ایک دربار ہے گورنر کا تقرر

ہو رہا ہے، بادشاہ بیٹھا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اس پر یہ یہ ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں اور پھر بتایا جا رہا ہے کہ یہ ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے قابل ہے۔ دنیا کے درباروں میں تو جب کوئی کمانڈر مقرر کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ہمیں تمہاری وفاداری سے امید ہے کہ تم ہماری خواہشوں کو پورا کرو گے لیکن یہاں کہا جاتا ہے ہم نے اس کو مقرر کیا ہے اور ہم نے اس کا انتخاب غلط نہیں کیا جو کام ہم نے اس کے سپرد کیا ہے اس کا یہ اہل ہے اور یہ اسے کر کے دکھا دیگا۔

ظرفِ صحیح کے انتخاب کی اہمیّت

گویا خلاصہ اس دربار کا یہ تھا کہ ایک نیا گورنر مقرر ہو رہا تھا دوسرے درباری اس انتخاب کی وجہ سمجھنا چاہتے تھے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سب علم ہماری طرف سے آتا ہے مگر اسے حاصل ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق کرتا ہے اور اگر ایک چوکونہ برتن ہوگا تو اس کے اندر جو پانی ہوگا وہ چوکونہ ہوگا، اگر ایک گول برتن ہوگا تو اس کے اندر پڑا ہوا پانی بھی گول ہو جائے گا، اگر ہم پانی کو چوکونہ شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں تو گول شکلوں والے کتنے بھی برتن ہمارے پاس لائے جائیں ہم کہیں گے یہ اس قابل نہیں کیونکہ ہم نے اس کو چوکونہ شکل دینی ہے۔ یا اگر فرض کرو کسی ایسی شکل میں ہم اس کو دیکھنا چاہتے ہیں جیسے تکون ہوتی ہے تو بے شک چار گوشیہ برتن لائے جائیں اور کہا جائے کہ ان میں پانی پڑ سکتا ہے ہم کہیں گے پڑ سکتا ہے مگر ہم نے اس کو دیکھنا سہ گوشہ ہے۔ یا اگر ہماری غرض یہ ہے کہ جیسے ایک سینگ ہوتا ہے اسی طرح سینگ کی شکل میں پانی کو دیکھیں تو اس غرض کے لئے ہم اسی قسم کے برتن کو پسند کریں گے جو سینگ کی شکل کا ہوگا۔ یا اگر قُلفی جمانی ہو تو اب قُلفی کی شکل چاہے قُلفی کی ہو چاہے جُوتی کی مزہ ایک جیسا ہی رہے گا مگر ہمارے ملک میں قُلفی کی شکل کا رواج ہے اب اگر قُلفی بنانی ہو اور کوئی کہے کہ ٹِفن کیریئر میں قُلفی جما لو تو دوسرا شخص کبھی نہیں بنائے گا وہ کہے گا قلفی لاؤ۔ مَیں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ اس کی کیا حکمت ہے؟ بہرحال جس نے کام کرنا ہو وہ جس شکل کو پسند کرتا ہے اس قسم کا ظَرف لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ یہاں سوال ظرف کا ہے

ہم جن صفات کو دُنیا میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ ظرف فرشتوں کا نہیں بلکہ آدم کا ہے۔

پھر انسان چیز بھی اپنے ظرف کے مطابق حاصل کرتا ہے اگر دو سیر والا ظرف ہوگا تو دو سیر چیز آئے گی، اگر چھ چھٹانک والا ظرف ہوگا تو چھ چھٹانک آئے گی، اگر ایک تولہ والا ظرف ہوگا تو ایک تولہ آئے گی۔ اِس نقطہ نگاہ سے بھی فرمایا کہ جس علم اور قانون کی اِس وقت ضرورت ہے اس کا ظرفِ صحیح یہی آدم ہے چنانچہ دیکھو! اس شخص کو ہم نے سکھایا اور سیکھ گیا یہی ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ شخص قابل تھا اور فرشتے اِس جواب کو سن کر فوراً سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور سب کی تسلی ہو جاتی ہے۔ پھر انہیں حُکم دیا جاتا ہے کہ اب گورنر کے احکامات کو رائج کرو چنانچہ فَسَجَدُوْا[۸] سارے کے سارے تعمیلِ حکم میں لگ گئے اور سب نے اس حکم پر لَبَّیْکَ کہا اور فرمانبرداری اور امداد شروع کر دی۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ فرشتوں کے ہمدرد بن کر اس آیت پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو سکھایا تو وہ سیکھ گیا فرشتوں کو نہ سکھایا وہ نہ سیکھے اس میں فرشتوں کا قصور کیا ہوا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اصل سوال یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی مختلف تجلّیات کے لئے مختلف آئینوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک تجلی کا آئینہ آدم ہے۔ فرشتے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ نئی تجلی کیا ہوگی جو کہ آدم کے ذریعہ ہی ظاہر ہوسکتی ہے؟ خدا تعالیٰ نے وہ تجلی آدم پر ڈالی اور اس نے اسے صحیح طور پر اخذ کر لیا اور پھر اس کو اپنے جسم سے ظاہر کر دیا فرشتے خاموش ہو گئے اور کہا کہ ہم سمجھ گئے۔ اصل مضمون نہیں بلکہ یہ سمجھ گئے ہیں کہ اس تجلی کا حامل آدم ہی ہوسکتا تھا ہم نہیں ہو سکتے تھے۔

آدم کا کام اَور ہے اور فرشتوں کا کام اَور

اصل حقیقت تو وہ اب بھی نہیں سمجھے جس دن اصل حقیقت سمجھنے لگ جائیں گے، اس دن وہ آدمی بن جائیں گے آج بھی فرشتہ اصل حقیقت کو نہیں سمجھا مگر فرشتہ اتنا سمجھ گیا ہے کہ آدم کا کام اَور ہے اور میرا کام اَور۔ اگر فرشتے اسے نئی تجلی نہ سمجھتے تھے اور اگر وہ یہی سمجھتے تھے کہ آدم کو سکھایا تو وہ سیکھ گیا تو مَیں ان داناؤں سے جو فرشتوں

کے وکیل بنتے ہیں پوچھتا ہوں کہ ان کی عقل کیوں ماری گئی۔ اگر سوال یہی تھا کہ اس کو سکھایا وہ سیکھ گیا تو فرشتے کیوں نہ بولے وہ چُپ کیوں ہو گئے؟ ان کو کہنا چاہئے تھا کہ اس کو سکھایا یہ سیکھ گیا ہمیں سکھاتے تو ہم سیکھ جاتے مگر ان کی تو تسلی ہو گئی اور اس معترض کی ابھی تک تسلی نہیں ہوئی اور پچاس ساٹھ ہزار سال سے جو اسے شبہ پیدا ہؤا ہے وہ ابھی دُور نہیں ہؤا۔

آدم سے مختلف تجلّیات کا ظہور

اصل سوال کرنے والوں کا بیان ہے کہ ان کے لئے یہ سوال حل ہو گیا کیونکہ وہ آگے سے نہیں بولے اور اسی لئے نہیں بولے کہ درحقیقت وہ احمق ہے جو سمجھتا ہے کہ یہاں انسانیت کے سمجھنے کا سوال تھا۔ انسانیت کے سمجھنے کا سوال نہیں تھا بلکہ فرشتوں کا سوال یہ تھا کہ وہ تجلّی جو آپ ظاہر کرنا چاہتے ہیں آیا ہم اس کے حامل نہیں ہو سکتے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں ہم تمہیں عملاً تجلّی کر کے دکھا دیتے ہیں اس تجلّی کے بعد تم خود فیصلہ کر لینا کہ تم اسے ظاہر کر سکتے ہو یا نہیں۔ چنانچہ آدم سے مختلف تجلّیات کا ظہور ہؤا مثلاً ایک تجلّی تو یہی ظاہر ہوئی کہ انسان دوزخ میں ڈالا گیا فرشتہ دوزخ میں جا ہی نہیں سکتا۔ آخر ابوجہل وغیرہ دوزخ میں گئے ہیں یا نہیں فرشتہ اس تجلّی کو برداشت ہی نہیں کر سکتا یہ قہری تجلّی تھی جس کو برداشت کرنے کی صرف آدم میں طاقت رکھی گئی فرشتہ اس تجلّی کا حامل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ملائکہ سے تعلق رکھنے والی تجلیات اَور رنگ کی ہیں ان تجلیات کو ہم نہیں اُٹھا سکتے وہ فرشتوں کے لئے مخصوص ہیں اور ہمارے لئے انسان کی تجلیات مخصوص ہیں۔

پس فرشتوں کا یہ سوال ہی نہیں تھا کہ وہ کونسی تجلّی ہے جس کے اظہار کے لئے آدم پیدا کیا گیا ہے بلکہ ان کا سوال یہ تھا کہ ایسی کونسی تجلّی ہے جو آدم ہی اُٹھا سکتا ہے ہم نہیں اُٹھا سکتے؟ جب آدم نے مختلف قسم کے افعال کا ارتکاب شروع کیا کسی نے خدا کو گالیاں دینی شروع کیں، کسی نے اس سے کھیل اور تمسخر شروع کیا، کسی نے نماز کا انکار کیا، کسی نے روزہ کا انکار کیا، کسی نے حج کا انکار کیا، کسی نے زکوٰۃ کا انکار کیا، کسی نے چوری کی، کسی نے ڈاکہ ڈالا تو فرشتوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا کہ اس کے لئے یہ آدم

ہی موزوں ہے ہم اس کے اہل نہیں اسی لئے قرآن کریم میں انسان کے متعلق ہی ظَلُوْمًا جَهُوْلًا [9] کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، فرشتوں نے کہا ہم ظَلُوْمًا جَهُوْلًا نہیں بن سکتے یہ آدمی ہی کی ہمّت ہے وہ بیشک ظَلُوْمًا جَهُوْلًا بنتا پھرے۔

پس سوال یہ نہیں تھا کہ وہ نئ تجلی کیا ہے جس کا آدم کے ساتھ تعلق ہے بلکہ سوال یہ تھا کہ آیا انسان ہی اس تجلّی کا حامل ہوسکتا ہے؟ فرشتے نہیں ہوسکتے؟ خدا تعالیٰ نے عملاً تجلّی ظاہر کر کے دکھادی اور فرشتوں نے مان لیا کہ ہم میں اس کی اہلیت نہیں لیکن آج ہزاروں سال کے بعد ایک انسان اُٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ فرشتے بیوقوف تھے اُن بیوقوفوں کو سوال کرنا آیا تھا جواب سمجھنا نہیں آیا حالانکہ فرشتوں کا چُپ ہو جانا بتاتا ہے کہ فرشتوں کا یہ سوال تھا ہی نہیں کہ آپ ہمیں سکھاتے تو ہم بھی سیکھ جاتے بلکہ فرشتوں کا سوال یہ تھا کہ وہ کونسی تجلّی ہے جس کا حامل انسان ہوسکتا تھا ہم نہیں ہوسکتے تھے۔ خدا کے بتانے یا نہ بتانے کا ذکر نہیں تھا بلکہ اس تجلّی کے قابل وجود کا ذکر تھا۔

روحانی دربارِ خاص کی بعض مخصوص کیفیات

اب میں اس دربار کی بعض مخصوص کیفیات کا ذکر کرتا ہوں۔

اوّل اس دربار میں بھی بادشاہ کے گرد کچھ درباری یعنی ملائکہ نظر آتے ہیں۔

دوم وہ درباری کُلی طور پر بادشاہ کے کمالِ علم کے قائل ہیں دُنیوی دربارِ خاص میں تو بسا اوقات کمانڈر سمجھتا ہے کہ بادشاہ اگر چھوٹی سے چھوٹی لڑائی کے لئے بھی جائے گا تو ہار جائیگا مگر اس دربار میں ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ بادشاہ جانتا ہے وہ میں نہیں جانتا۔

سوم وہ اس سے زیادتی علم کے لئے بھی سوال کرتے رہتے ہیں گویا وہ صرف یہی نہیں جانتے کہ یہ ہر بات جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے بلکہ ان کے دل میں تڑپ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرتے جائیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق اپنے آپ کو مقامِ تکمیل تک پہنچائیں۔ فرشتہ اپنی ملکیت کے لحاظ سے کامل ہونا چاہتا ہے اور انسان اپنی انسانیت کے لحاظ سے کامل ہونا چاہتا ہے مگر ترقی بہر حال موجود

ہے کیونکہ استاد موجود ہے جب تک استاد موجود رہے گا شاگرد اس سے نئی نئی چیزیں سیکھتا رہے گا۔

چہارم بادشاہ ڈنڈے سے ان کو سیدھا نہیں کرتا جیسے دنیا میں کیا جاتا ہے بلکہ ان پر حقیقت کو واضح کرتا ہے اور ان کے سینوں کو روشنی بخشتا ہے۔

پنجم جب کسی نئے کام پر کسی کو مقرر کیا جاتا ہے تو تمام سامان اسے مہیا کر کے دیئے جاتے ہیں۔ دنیا میں تو یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بادشاہ کی طرف سے کسی کو مقرر کیا جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ اب فوج بھرتی کرو یا لڑائی کے لئے سامان مہیا کرو مگر وہاں ساری چیزیں وہ خود مہیا کر کے دیتا ہے۔

ششم اس دربار کے درباری ایسے ہیں کہ بجائے رقابت میں مبتلاء ہونے کے وہ افسر مقررہ کی پوری طرح اعانت کرتے ہیں اور اس سے مخلصانہ تعاون کرتے ہیں چنانچہ فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے کہ فَسَجَدُوْا جب انہیں تعاون کے لئے کہا گیا تو انہوں نے تعاون کرنا شروع کر دیا اور جس نے تعاون نہ کیا اُس کو خود بادشاہ نے سزا دی اور اُس کی شرارت کو بے ضرر کر دیا۔

قرآن کریم میں ایک اور دربارِ خاص کا ذکر

اب میں ایک اور روحانی دربارِ خاص کا ذکر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖۗ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۶﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۷﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۱﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۲﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۴﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۶﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۷﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ

رَجِیۡمٌ ﴿۷۸﴾ وَّ اِنَّ عَلَیۡکَ لَعۡنَتِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۷۹﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۸۰﴾ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۸۱﴾ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۸۲﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۸۳﴾ اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡہُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۸۴﴾ قَالَ فَالۡحَقُّ ۫ وَ الۡحَقَّ اَقُوۡلُ ﴿۸۵﴾ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنۡکَ وَ مِمَّنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۸۶﴾ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَکَلِّفِیۡنَ ﴿۸۷﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۸﴾ وَ لَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَہٗ بَعۡدَ حِیۡنٍ ﴿۸۹﴾ ۱۰

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عظمیٰ کا دربارِ خاص میں اعلان

اس جگہ پھر ایک آدم کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے مگر جیسا کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے یہ آیات قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ یہاں وہ آدم مراد نہیں جس سے نسلِ بشر کا آغاز ہوا بلکہ اس جگہ آدم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے چنانچہ دیکھو ان آیات کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنۡذِرٌ ٭ۖ وَّ مَا مِنۡ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ۔ تُو ان سے کہہ دے کہ مَیں خدا کی طرف سے ایک تنبیہہ کرنے والے کی حیثیت سے آیا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد اور قہّار ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے وہ آسمان اور زمین کا ربّ ہے اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کا بھی ربّ ہے اور وہ بڑا غالب اور بخشنے والا ہے۔ تُو کہہ دے کہ یہ ایک عظیم الشان چیز ہے جس سے تم اِعراض کر رہے ہو اور مجھے کیا خبر ہے کہ فرشتے آسمان پر کس کے تقرر کے بارہ میں بحثیں کر رہے تھے مجھے آسمان سے وحی آگئی اور پتہ لگ گیا کہ مَیں خدا کی طرف سے نذیر ہوں۔ دیکھو! جب خدا نے فرشتوں کو بُلایا اور ان سے کہا کہ میں ایک بہت بڑے انسان کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو پیدا کرلوں اور وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے اور کلامِ الٰہی اس پر نازل ہو جائے تو تم فوراً اُس کی مدد کرنے لگ جاؤ۔

اب دیکھو یہاں کسی پہلے آدم کا یا پیدائشِ عام کا ذکر نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کی بعثت کا ذکر ہے اور پھر جہاں یہ ذکر ختم ہوتا ہے وہاں بھی ان باتوں کو بیان کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّ مَاۤ اَنَا

مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۷﴾ یعنی خدا نے کہا اور میں مقرر ہو گیا۔ مَیں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں۔ اگر ابوالبشر آدم کا یہاں ذکر ہوتا تو آدم کو کہنا چاہئے تھا کہ خدا نے مجھے خلیفہ بنایا ہے مگر بنایا آدم کو اور کہہ رہے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اِن دونوں کا آپس میں جوڑ کیا ہؤا۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آدم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قرآنی اصطلاح میں آدم سے مراد

درحقیقت قرآن کریم میں آدم کا جو لفظ استعمال ہؤا ہے وہ خالی ایک نام نہیں بلکہ آدم ایک عُہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کیا جاتا ہے۔ اِس عُہدہ کے لحاظ سے جو آدمی بھی اِس پر مقرر ہو جائے وہ آدم کہلاتا ہے اور قرآن کریم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عُہدہ اُس شخص کو دیا جاتا ہے جس سے کسی چیز کی ابتداء ہو۔ جب کوئی ایسا سلسلہ قائم کیا جائے کہ جس نے قیامت تک جاری رہنا ہو اور اس سے متواتر تنوّع پیدا ہونا ہو اور نئی نسلیں پیدا ہونی ہوں تو اُس کا نام آدم رکھا جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک عظیم الشان آدم ہیں

آدمِ اوّل دورِ بشری کا آدم تھا جس سے نسلِ انسانی چلی اور کروڑوں کروڑ آدمی اِس دنیا میں پھیل گئے۔ اِس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک آدمؑ تھے جن سے ایک روحانی نسل کا آغاز ہؤا۔ جس طرح آدمؑ کے پیدا ہونے کے بعد جِنّ اور بُھوت وغیرہ سب غائب ہو گئے اور انسانی نسل چل پڑی اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کے بعد پہلے سارے نبیوں کی نسلیں ختم ہو گئیں اور وہ بے اولاد ہو گئے گویا بعینہٖ اِسی طرح ہؤا جس طرح وہاں ہؤا تھا۔ جس طرح وہاں صرف آدم کی نسل چلی اسی طرح یہاں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی نسل چلی اور باقی نسلیں منقطع ہو گئیں۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے آدمی تو دنیا میں کروڑوں کروڑ پھرتے ہیں، ان کی نسلیں منقطع کس طرح ہوئیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ آدمی وہ ہوتے ہیں جو زندہ ہوں۔ جن کے اندر روحانیت نہیں، جن

کے اندر خدا کا خوف نہیں، جن کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں، جن کو خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل نہیں حالانکہ یہی باتیں انسان کی پیدائش کا مقصد ہیں وہ آدمی کہاں ہیں۔ اب آدمی وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے کیونکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے، باقی صرف جانوروں کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ خدا سے دُور ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو آدم قرار دینے میں حکمت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی جو آدم کا نام دیا گیا ہے وہ بھی اسی لئے ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خَاتَمُ الخلفاء قرار دیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اب جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا چاہے اُس کے لئے آپ کی غلامی اختیار کرنا ضروری ہے۔ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص خدا تک پہنچنا چاہے تو وہ نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے کیونکہ اب وہی نسل سمجھی جاتی ہے باقیوں کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہیں ہی نہیں اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع سمجھے جائیں گے جو مسیح موعود کو مانتے ہیں اسی لئے آپ کا نام بھی آدم رکھا گیا۔

بہرحال ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ مَیں خدا کا رسول ہوں اور میرے ساتھ بہت بڑے واقعات وابستہ ہیں۔ مَیں عالمِ روحانی کی مکمل سکیم کے ماتحت پیدا کیا گیا ہوں اور جب دربارِ خاص میں فرشتے بحث کر رہے تھے تو میں اُس وقت موجود نہ تھا۔ اس دربار میں مجھے چُنا گیا اور آسمانی بادشاہت کے دشمنوں کے خلاف مجھے نذیر یعنی کمانڈر اِنچیف مقرر کیا گیا۔

مَلَأِ اعلیٰ کے فرائض

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید روحوں کے اثرات آسمان پر جمع ہونے شروع ہوتے ہیں اور الٰہی احکام کے نازل ہونے سے پہلے ملائکہ بھی فطرتاً ایک معیّن وجود کی طرف مائل ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہمارے ہدایت کے کام کو آسان

کرنے کے لئے اِس وجود کو مقرر فرما۔ گویا ملائکہ کے جہاں اَور کام ہیں وہاں جیسے فون میں تم نے دیکھا ہوگا کہ جب کسی کو فون کیا جاتا ہے تو درمیان میں کنٹیکٹ (CONTACT) کرنے والے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ کنکشن کو فون کرنے والے کے ریسیور (RECEIVER) سے ملا دیتے ہیں جس سے دونوں کا آپس میں تعلق قائم ہو جاتا ہے اِسی طرح قرآن کریم کی اِن آیتوں سے پتہ لگتا ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک واسطہ ہے اور اِس کنکشن بورڈ (CONNECTION BOARD) کا نام مَلأِ اعلیٰ ہے۔ خدا تعالیٰ جب کوئی بات بندوں تک پہنچانا چاہتا ہے تو بخاری میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ پہلے وہ بات جبرئیل کو بتاتا ہے پھر وہ نچلے فرشتوں کو بتاتا ہے، پھر وہ اس سے نچلے فرشتوں کو بتاتے ہیں یہاں تک کہ وہ زمین تک پہنچ جاتی ہے گویا خدا جب کوئی بات دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے تو پہلے وہ مَلأِ اعلیٰ کو بتاتا ہے۔ اِسی طرح زمین سے آسمان پر جب کوئی بات جاتی ہے تو پہلے وہ مَلأِ اعلیٰ میں جاتی ہے اور پھر وہ خدا کے سامنے پیش ہو کر آخری فیصلہ ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا انتخاب ہمیشہ قابلیّت کی بناء پر ہوتا ہے

اِسی نُکتہ سے ہم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یونہی اندھا دُھند نبی بنا دیتا ہے یہ بات غلط ہے۔ بعض لوگ کہتے ہی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا عاشق ہو گیا تھا۔ پنجابی شعر پڑھو تو ان میں یہی مضمون ہوتا ہے کہ ''اوکملی والیا تیرے تے رب عاشق ہو گیا''۔ حالانکہ قرآن یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں جب خرابی پیدا ہوتی ہے تو فرشتے انسانی روحوں کے ساتھ چھُونا شروع کرتے ہیں اور چُھو کر محسوس کرتے ہیں کہ کس روح میں کیا قابلیت ہے؟ پھر وہ مختلف اثرات لے کر ریکارڈ روم میں جمع ہوتے ہیں اور اس میں ان کی توجہ ایک روح کی طرف مرکوز ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر تمام روحوں میں سے جو مکمل روح انہیں نظر آتی ہے اُس کے چُنے جانے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور ایک وجود پر ان کا اتحاد ہو جاتا ہے کہ یہ روح ہے جس سے ہماری روحیں ملتی جُلتی ہیں۔ جب وہ یہ فیصلہ کر لیتے ہیں تو

اللہ تعالیٰ اُس شخص کو خدمت کے لئے مقرر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو عالمُ الغیب ہے اسے ضرورت نہیں کہ وہ ایسا کرے لیکن چونکہ اُس نے فرشتوں سے خدمت لینی ہوتی ہے اِس لئے ان کے اندر بشاشت پیدا کرنے اور محبت پیدا کرنے اور ہمدردی پیدا کرنے کے لئے اُس نے یہ طریق رکھا ہے کہ وہ پہلے فرشتوں کو غور کرنے کا موقع دیتا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ ان کا بھی انتخاب میں حصہ ہے اس کے بعد حکم نازل ہوتا ہے اور وہ چونکہ ان کے منشاء کے ماتحت ہوتا ہے اس لئے ان کی تسلی ہو جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ [۱۱] پھر ایسے انسان کی قبولیت دنیا میں پھیلا دی جاتی ہے اور لوگ اس کو ماننے لگ جاتے ہیں۔ اِس سے پتہ لگ گیا کہ درحقیقت وہ قابلیت کی بناء پر ہی نبی ہوتا ہے اگر قابلیت کی بناء پر نہ ہوتا تو مَلَأِ اعلیٰ کے دنیا سے معلومات حاصل کرنے کے کیا معنے؟ پھر تو خدا آسمان پر بیٹھا ہوا کہہ دیتا فلاں نبی بن جائے اور وہ بن جاتا۔

بہرحال ان آیات سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ پیدائشِ انسانی کے بعد کا تھا اور سلسلۂ نبوت کے جاری ہونے کے بعد کا تھا کیونکہ اِس آیت میں فرشتوں کا جو سوال تھا اس کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ جہاں آدم اوّل کی پیدائش کا ذکر ہے وہاں اس سوال کا بھی ذکر ہے کہ آپ کیوں پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر یہاں یہ وہ سوال نہیں کرتے کیونکہ وہ سوال ایک دفعہ ہو چکا اور حل ہو چکا اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر کوئی وجہ نہیں تھی کہ پھر دوبارہ وہی سوال کیا جاتا کیونکہ ملائکہ کا رُجحان خود وجودِ محمدؐی کی طرف آپ کی بعثت سے پہلے ہو چکا تھا۔ اب خدا نے بتا دیا کہ ہم اِس شخص کو نبی بنانے لگے ہیں جب ہم نبی بنائیں اور یہ اُس عمر کو پہنچ جائے کہ خدا کی وحی اس پر نازل ہونے لگے تو فوراً اس کے کام میں مدد دینے کے لئے کھڑے ہو جانا اور وہ کہتے ہیں اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔

ملائکہ کا شیطانی عنصر سے اختصام

یہاں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ فرشتوں کے متعلق یَخْتَصِمُوْنَ کا لفظ کیوں آتا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ کیا جھگڑا کرتے تھے؟ صوفیاء نے اس پر بحث کی ہے کہ اختصام کیا

تھا مگر وہ اس مضمون کو اس طرح بیان نہیں کرتے جس طرح میں نے بیان کیا ہے ورنہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس مضمون کو لیا ہے اور پُرانے صوفیاء نے بھی ۔ وہ کہتے ہیں کہ فرشتوں میں یہ سوال اُٹھتا ہے تو وہ یہ بحثیں کرتے ہیں کہ کون مستحق ہے اور کون نہیں ؟ مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے جھگڑا تب ہوتا جب اختلاف ہوتا یا ووٹنگ والا سسٹم ہوتا مگر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں فرشتے تأثرات کو قبول کرتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ان کی توجہ ایک روح پر مرکوز ہو جاتی ہے اور چونکہ الٰہی منشاء بھی وہی ہوتا ہے اس لئے الٰہی حکم صادر ہو جاتا ہے اور وہ دنیا میں نافذ ہو جاتا ہے مگر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یَخْتَصِمُوْنَ کا لفظ کیوں آیا ہے؟

سو یاد رکھنا چاہئے کہ میرے نزدیک یہاں یَخْتَصِمُوْنَ کا ذکر اس رسول کے متعلق نہیں یعنی یہ نہیں کہ فرشتے اس رسول کے متعلق جھگڑ رہے تھے کہ یہ رسول بنے یا وہ بنے بلکہ وہ اس شیطانی عنصر کے ساتھ جھگڑ رہے تھے جس نے اس رسول کی مخالفت کرنی تھی گویا فرشتوں نے جب وجودِ محمدؐی میں نورِ الٰہی دیکھنا شروع کیا تو فوراً شیطانی طاقتیں جو راستہ میں حائل ہونے کے لئے جمع ہو رہی تھیں ان سے انہوں نے جھگڑنا شروع کر دیا پس یَخْتَصِمُوْنَ کا لفظ رسالت کے متعلق نہیں بلکہ یہ اختصام شیطانوں کے متعلق ہے اور انہی کے ساتھ ان کا سارا جھگڑا ہے ۔

پس یَخْتَصِمُوْنَ کے معنے یہ ہیں کہ جُوں جُوں اُنہیں پتہ لگتا چلا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس عُہدہ کے قابل ہے شیطانی طاقتیں جو مقابل میں کھڑی ہوتی ہیں ان سے لڑائی شروع کر دیتی ہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت آخری جنگ میں شیطانی طاقتیں شکست کھا جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی حکومت دنیا میں قائم ہو جاتی ہے ۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا الٰہی دربار میں شاندار اعزاز

اب ہم اس دربارِ خاص کا ذکر کرتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز کے لئے منعقد ہؤا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے انتہائی قُرب کے مقام کو ظاہر کیا اور بتایا کہ آپ کو دوسرے درباریوں پر کیا

فضیلت حاصل ہے۔ پہلے اُس دربار کا ذکر کیا گیا تھا جس میں آپ کا انتخاب عمل میں لایا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ ہم آپ کو اس منصب پر مقرر کر رہے ہیں اب اسی دربار کے دوسرے حصہ میں یہ بتایا جاتا ہے کہ آپ کا کتنا بڑا اعزاز کیا گیا۔

محبت اور اتحاد کا کمال

اللہ تعالیٰ سورہ نجم میں فرماتا ہے وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ﴿۸﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۹﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۱۰﴾ [۱۲] یعنی بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا اور پھر وہ درباری اس کے قریب ہؤا جس کے بعد بادشاہ اپنے عرش سے اُتر کر اُس کے پاس آ گیا اور اتنا اُس کے قریب ہو گیا کہ یوں نظر آتا تھا جیسے دو قوسیں آپس میں ملا کر کھڑی کر دی گئی ہیں۔ گویا دربار لگا بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا اور اُس نے اپنے اس درباری کو بلایا جس کے لئے دربارِ خاص منعقد کیا گیا تھا اور حکم بھیجا کہ ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ ہم تمہارا اعزاز کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں تک تو باقی بادشاہوں سے بات ملتی ہے لیکن دنیا کے درباروں میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کو کسی عُہدے پر مقرر کیا جاتا ہے وہ کِھسک جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں اس کا اہل نہیں۔

لیکن اِس دربار کے متعلق فرماتا ہے کہ خدائی حکم کے ملتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے قریب ہو گئے اور دوسرے درباروں کے خلاف جن میں بادشاہ اپنی جگہ سے کِھسکتا نہیں خدا تعالیٰ عرشِ عظیم سے اُتر کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور اتنا قریب ہؤا کہ یوں نظر آتا تھا گویا دو قوسیں آپس میں ملا کر کھڑی کر دی گئی ہیں۔

دوسری جگہ عام انسانوں کے متعلق بھی خدا تعالیٰ کا یہ فعل موجود ہے چنانچہ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ [۱۳] ابصار خدا تک نہیں پہنچتیں کیونکہ وہ ناکام رہ جاتی ہیں مگر خدا خود لوگوں کی آنکھوں تک پہنچ جاتا ہے۔

قَابَ قَوْسَيْنِ کا نظارہ

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا اور آپؐ اس کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے مگر جب چلے تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے جذبہ میں اپنی جگہ پر نہ ٹھہرا بلکہ آپ نیچے اُتر

آیا۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۱۰﴾ اور اُس نے اُتر کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم تجھے اپنا گورنر بنانا چاہتے ہیں مگر ہماری گورنری ایسی نہیں ہوتی جیسی دنیا کی گورنریاں ہوتی ہیں ہم تجھے گورنر بھی بنانا چاہتے ہیں اور اپنا دوست بھی بنانا چاہتے ہیں۔ اب ہم دونوں کی قوسیں ایک ہوگئی ہیں۔ اے محمد! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ تیرے بھی دشمن ہوں گے اور کچھ میرے بھی دشمن ہونگے آخر ہر ایک کے دشمن ہوتے ہیں کچھ میرے بھی دشمن ہیں یعنی توحید کے منکر اور کچھ تیرے بھی دشمن ہیں یعنی انسانیت اور اخلاق اور شرافت کے دشمن۔ تجھے بھی ضرورت ہے ان پر تیر چلانے کی اور مجھے بھی ضرورت ہے اپنے دشمنوں پر تیر چلانے کی۔ پس آ! ہم دوست بنتے ہیں اب ہم دونوں اپنی کمانیں جوڑ لیتے ہیں اور ان دونوں کمانوں کا ایک ہی وتر ہوگا یعنی وہ تار جو کمان میں ہوتی ہے ایک ہوگی اور پھر تیرا تیر بھی اور میرا تیر بھی اکٹھا ایک ہی طرف چلے گا، یہ کتنی دوستی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اظہار فرمایا۔

مقامِ محمدیتؐ کی بلندی

پھر فرماتا ہے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۱۰﴾۔ اَوْ عربی زبان میں یا کے معنے بھی دیتا ہے اور ترقی کے معنی بھی دیتا ہے گویا پہلے تو تیرا تیر بھی اور میرا تیر بھی ایک طرف چلتا تھا مگر پھر اس سے بھی ترقی ہوئی اور وہ ترقی یہ ہے کہ پہلے تو دو قوسیں تھیں اور دشمن بھی دو ہی تھے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اور خدا کا دشمن۔ بیشک تیر اکٹھا چلتا تھا مگر دشمن دو تھے پھر وہ دونوں ایک ہوگئے یعنی قوسیں بھی ایک بن گئیں اور ہاتھ بھی ایک بن گیا تیر بھی ایک بن گیا اور دشمن بھی ایک بن گیا۔

اِسی کی طرف دوسری جگہ قرآن کریم میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج [۱۴] یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اور تُو دونوں اس طرح اکٹھے ہو چکے ہیں کہ تُو نے جو بدر کی جنگ میں پتھر پھینکے تھے وہ تُو نے نہیں پھینکے بلکہ ہمارا ہاتھ تھا جو ان کو پھینک رہا تھا۔ گویا پہلا اتحاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے درمیان یہ ہؤا کہ دو قوسوں سے ایک تیر چلنا شروع ہؤا اور پھر

آخری اتحاد قوسوں کا آپس میں مدغم ہو جانا اور پھر ہاتھوں کا بھی آپس میں مدغم ہو جانا تھا گویا ہاتھ بھی ایک ہو گئے، قوس بھی ایک ہوگئی، دشمن بھی ایک ہوگیا اور تیر بھی ایک ہو گیا۔

عجیب دربار

یہ کیسا عجیب دربار ہے کہ ابھی کام شروع بھی نہیں کیا اور پہلے ہی دوستانہ تعلق اور پیار ہو گیا کیوں؟ اس لئے کہ دُنیوی بادشاہ جب کسی کو جرنیل مقرر کرتے ہیں تو کہتے ہیں معلوم نہیں وہ شکست کھا کر آتا ہے یا فتح حاصل کر کے؟ پہلے پتہ تو کر لینے دو۔ مگر یہ دربار ایسا ہے جس میں بادشاہ کو پہلے ہی پتہ ہوتا ہے کہ میرا جرنیل جیت کر آئے گا اس لئے اگر اسے پہلے سے ہی انعام دے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بہر حال اِسی نے جیتنا ہے۔

بادشاہوں کے خلاف درباریوں کی سرگوشیاں

پھر ہم دُنیوی بادشاہوں کے دربار میں جا کر دیکھتے ہیں تو وہاں بعض دفعہ عجیب تماشہ نظر آتا ہے۔ بادشاہ بیٹھا ہؤا ہوتا ہے اور دُور کناروں پر لوگ آپس میں کُھسر پُھسر کر رہے ہوتے ہیں کہ فلاں جس کو بادشاہ نے مُنہ چڑھایا ہؤا ہے بڑا خبیث آدمی ہے۔ دیکھنا کسی دن بادشاہ سے دھوکا کر کے رہے گا۔ یہ فلاں شہزادہ کا دشمن ہے، فلاں بیوی پر اِس کو بدظنی ہے خبر نہیں کیا کرے گا غرض اِدھر دربار لگا ہؤا ہوتا ہے اور اُدھر سرگوشیاں ہو رہی ہوتی ہیں۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دربار لگا ہؤا ہے بادشاہ آیا اور اُس نے کسی کو خلعت دیا جب اسے خلعت دے کر رُخصت کیا تو کسی درباری نے کہا حضور! اگر یہ طاقت پکڑ گیا تو آپ کے خلاف کھڑا ہو جائے گا اور آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ بادشاہ جواب دیتا ہے مَیں خوب جانتا ہوں لیکن موقع دیکھ رہا ہوں موقع پر گردن پکڑ لونگا۔

آسمانی دربار کی ایک سیر

ہم اس آسمانی دربار کو بھی جا کر دیکھتے ہیں کہ کیا یہاں بھی وہی کچھ ہے کہ اِدھر گورنری دی جا رہی ہے اور اُدھر سازشیں اور شکایتیں ہو رہی ہیں اور گورنروں کے خلاف باتیں ہو رہی ہیں؟ سو قرآن کریم کی اجازت سے میں تم کو اس دربارِ خاص میں لے جاتا ہوں ورنہ اس دربار

میں ہر ایک کو جانے کی اجازت نہیں۔ ہم اس دربار میں جاتے ہیں، دروازہ کھولتے ہیں اور اندر سَر ڈال کر دیکھتے ہیں کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ کیا گورنروں کے خلاف باتیں ہو رہی ہیں، ان پر جرح وقدح ہو رہی ہے یا ان کے نقائص بیان کئے جا رہے ہیں یا تعریفیں ہو رہی ہیں؟ ہم جب اندر سر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے تو ہمارے سر ڈالتے ہی ہمارے کان میں ایک آواز آتی ہے کہ آجاؤ بے شک آؤ کوئی حرج نہیں ہم جو کام کر رہے ہیں وہ تم کو بھی بتاتے ہیں تم بھی وہی کام کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝۵۷ [۱۵]

اس دربار میں بجائے گورنر کی شکائتیں ہونے کے، بجائے اس پر الزام قائم کرنے کے بجائے، اس کے متعلق شبہات پیدا کرنے کے ہم جو دیکھتے ہیں تو بادشاہ بھی اُس پر برکات نازل کرنے میں لگا ہؤا ہے اور درباری بھی اس کے لئے دعائیں کر رہے ہیں اور ہم جو چوری چھُپے دیکھنے جاتے ہیں تو ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم بھی درود پڑھو اور سلام بھیجو۔

اخلاص اور محبت کے نظارے

کیا اخلاص اور کیسی سچی محبت اور کیسے سچے تعلق کا دربار ہے کہ جس پر ہر شخص اعتبار کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہاں نہ میرے ساتھ غداری کی جائے گی، نہ میرے دوستوں کے ساتھ غداری کی جائے گی، نہ میرے ساتھیوں کے ساتھ غداری کی جائے گی، اس دربار میں خالص سکّہ ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کام کر رہی ہے۔ دوسرا حصہ درباریوں کی برطرفی کا ہوتا ہے وہ مَیں بتا چکا ہوں کہ برطرفی اِس دربار میں ہوتی ہی نہیں۔ درباری ختم بھی ہو گیا مر گیا نوحؑ کسی زمانہ میں پیدا ہؤا اور ختم ہو گیا، اس کی نسل کا بھی پتہ نہیں، اس کی حکومت کوئی نہیں، مذہب کوئی نہیں، تعلیم کوئی نہیں لیکن مجال ہے جو نوحؑ کو کوئی گالی دے سکے، جھٹ خدا کے فرشتے اُس کی گردن پکڑ لیتے ہیں کہ خدا کے گورنر کو گالی دی جا رہی ہے!!

دربارِ خاص کی دوسری غرض

دوسری غرض دربارِ خاص کی یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنے وزراء اور امراء کو خاص امور کے بارہ میں

مشورہ دے اور بتائے کہ انہوں نے اِن اِن ہدایتوں کے ماتحت کام کرنا ہے تا کہ وہ اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کر سکیں۔ چنانچہ اب اس دربار کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں عُہدۂ رسالت کی تفویض کے احکام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے اور بتایا گیا کہ آپ نے دنیا میں کیا کرنا ہے اور کس طرح اپنے فرائض کو سرانجام دینا ہے۔

دُنیوی بادشاہوں کے مشوروں کی حقیقت

ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیوی درباروں میں اوّل تو بادشاہ خود مشورہ کا محتاج ہوتا ہے اور پھر جو وہ مشورے دیتا ہے بِالعموم غلط بھی ہوتے ہیں اور بعض اوقات اُن مشوروں سے وزراء کو اتفاق نہیں ہوتا اور بعض دفعہ وہ اُن پر عمل ہی نہیں کر سکتے اور سب کام خراب ہو جاتا ہے مگر یہ ایسا دربار ہے جس کا بادشاہ کسی کے مشورہ کا محتاج نہیں۔

کامیابی کے متعلق تذبذب کی کیفیت

پھر دُنیوی دربارِ خاص میں بادشاہ ایک افسر کو بلاتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہم تمہاری وفاداری پر یقین کر کے تم کو فلاں عُہدہ پر مقرر کرتے ہیں امید ہے تم ہمارے اعتبار کے اہل ثابت ہو گے تم فلاں فلاں کام دیانتداری سے کرو اور اگر تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے تو ہم تم سے بہت خوش ہونگے۔ مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ خوشی کتنی حقیر ہوتی ہے مگر بہر حال یہی سہی لیکن ان کلمات میں بھی کتنی کمزوری پائی جاتی ہے۔ اوّل بادشاہ کہتا ہے ہم تم کو چُنتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم کامیاب ہو گے گویا بادشاہ اُس کو ایک تخمین (یعنی اندازہ) سے چُنتا ہے اور پھر اس شک میں رہتا ہے کہ معلوم نہیں وہ کامیاب بھی ہوگا یا نہیں۔ لیکن اِس الٰہی دربار میں کوئی شک نہیں ہر شخص کو یقین کے ساتھ چُنا جاتا ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ وہ کامیاب ہوگا اور یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ وہ کیوں کامیاب نہیں ہوگا جب کہ ہم اس کے ساتھ ہیں۔

بڑے بڑے جرنیلوں کی ناکامی

دنیا میں بسا اوقات بڑے بڑے جرنیل بڑے نکمّے ثابت ہوتے ہیں چنانچہ دیکھ لو

پچھلی جنگِ عظیم میں کس طرح جرنیل بدلے گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں تین جرنیل یکے بعد دیگرے بدلے گئے تھے دوسری جنگ عظیم میں بھی ایسا ہی ہؤا۔ ابھی تازہ واقعہ دیکھ لو میکارتھر نے کوریا کی جنگ میں کتنا بڑا شُہرہ حاصل کیا تھا لیکن ٹرومین سے اس کا اختلاف ہو گیا اور لوگوں نے اس کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ اگلی پریذیڈنٹی کے لئے یہ کھڑا ہونا چاہتا ہے اور آپ کا مدِّ مقابل بننا چاہتا ہے چنانچہ جھٹ فساد کی تاریں چھُوٹنی شروع ہوئیں اور اُسے نکال کر باہر پھینک دیا اب اُسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

دوسرے دنیا میں جب کسی جرنیل پر بھروسہ کیا جاتا ہے تو وہ بھروسہ خیالی اور شکّی ہوتا ہے جو آگے چل کر غلط ہو جاتا ہے اور بعض جگہ وہ شکست کھا جاتا ہے یا بعض جگہ وہ کامیاب ہو جاتا ہے لیکن اتنا نتیجہ نہیں نکلتا جتنے نتیجہ کی امید کی جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو خود بادشاہ کے خلاف لڑنا شروع کر دیتا ہے۔ دوسری قوموں کو جانے دو مسٹر چرچل کو ہی دیکھ لو۔ اس نے گزشتہ جنگ میں کتنی بڑی قربانی کی مگر چند مہینوں کے اندر اندر اس کے ملک نے اسے ایسی خطرناک شکست دی کہ پارلیمنٹ میں اس کی اور اس کے ساتھیوں کی پارٹی نہایت ہی قلیل رہ گئی۔ پھر ہندوستان میں گاندھی جی نے کہا کہ مجھے اندر سے آواز آتی ہے اور لگے نبیوں کے سے دعوے کرنے آخر انہی کے ایک چیلے نے اُٹھ کر انہیں پستول مار دیا۔

قرآنی دربارِ خاص میں گورنر جنرل کی ہدایات

لیکن اب قرآنی دربار کی سُن لو یہاں ایک بڑے بھاری جرنیل کا تقرر ہوتا ہے اسے دربارِ خاص میں بُلایا جاتا ہے اور اعلان پڑھا جاتا ہے کہ ہم نے آپ کو مقرر کیا اب ہم آپ کو ہدائتیں دیتے ہیں کہ آپ نے کیا کرنا ہے کس طرح کرنا ہے اور کس کس طریق سے اِس کام کو سرانجام دینا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝٢ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝٣ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٤ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٥ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٦ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٧ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٨ [16]

میلاد النبیؐ کے وعظ

یہ آیات تو قرآن کریم میں تیرہ سَو سال سے موجود ہیں اور علماء نے اِن آیات کی تفسیریں بھی لکھی ہیں لیکن آجکل کل کے مولویوں کے وعظ خصوصاً میلاد النبی ؐ کے تم نے سنے ہی ہوں گے، جب وہ ان آیات کی تفسیر شروع کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔

؎ او کملی والیا! اے زُلفاں والیا !اے کملی والیا!

ایک ہندو وکیل سے گفتگو

مَیں ایک دفعہ فیروز پور گیا وہاں ایک ہندو وکیل جو اچھا ہوشیار اور آریہ سماج کا سیکرٹری تھا مجھ سے ملنے کے لئے آیا اور کہنے لگا آپ کہتے ہیں ہندو مسلمان لڑتے رہتے ہیں مگر کیا آپ نے کبھی بتایا بھی کہ اسلام کیا چیز ہے؟ مَیں نے کہا تمہیں کیا بتائیں؟ کہنے لگے، میلاد النبیؐ کا جلسہ ہوتا ہے تو ہم بھی جاتے ہیں کہ وہاں چل کر پتہ لگائیں گے کہ اسلام کیا ہوتا ہے مگر وہاں ہمیں یہ سنایا جاتا ہے کہ اے کملی والیا! اے زُلفاں والیا! کہنے لگا ہم زُلفیں دیکھنا نہیں چاہتے ہم کملی دیکھنا نہیں چاہتے ہم تو تعلیم سُننا چاہتے ہیں مگر بجائے یہ بتانے کے کہ رسول اللہ کی تعلیم کیا تھی، آپؐ کے کیا کام تھے اور آپ کی کیا خدمات تھیں ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ آپ کی زُلفیں ایسی تھیں اور آپ کی کملی ایسی تھی ہم عشقِ مجازی تو نہیں کرنا چاہتے کہ ہمیں یہ باتیں بتائی جاتی ہیں۔ شرمندگی تو بہت ہوئی مگر خیر مَیں نے کہا لوگ غلطی کرتے ہیں ہمارا نقطہ نگاہ بھی آپ کبھی سُن لیں۔ کہنے لگا میں نے آپ کی ایک تقریر سُنی ہے اور اس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ آپ کا طرز اَور ہے مگر میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے اس کے بعد یہ خواہش کرنا کہ ہم مسلمان ہو جائیں اور ہم سے اس کی امید رکھنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کیا کملی دیکھ کر کوئی مسلمان ہوسکتا ہے یا زُلفیں دیکھ کر کوئی مسلمان ہوسکتا ہے؟

دربارِ خاص کا نقشہ دوسرے مسلمانوں کے نقطہ نگاہ سے

پس غیر احمدی بھی اس دربار کا نقشہ کھینچتے ہیں لیکن ان کا نقشہ میں پہلے سُنا دیتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں دربارِ خاص لگا ہؤا ہے،

بادشاہِ خلق و کون کی آمد آمد ہے، چھوٹے چھوٹے درباروں کے اہلکار تو ایسے موقع پر ہمہ تن مصروفِ عمل ہوتے ہیں، بھاگ دَوڑ ہو رہی ہوتی ہے، افسر قرینہ سے کھڑے ہوتے ہیں اور منتظر ہوتے ہیں کہ بادشاہ آئے تو فوراً اس کا استقبال کریں اور اس کا اعزاز کریں اور اس کی تعریف کریں۔لیکن ہمارے بادشاہ کے دربار کا یہ حال بتایا جاتا ہے کہ بادشاہ سلامت تشریف لاتے ہیں، تمام دربار میں خاموشی طاری ہو جاتی ہے اور جس کی خاطر دربارِ خاص لگایا گیا تھا وہ ایک کمبل اوڑھ کر ایک گوشے میں سویا پڑا ہے اب بادشاہ اس کے پاس پہنچتا ہے، اُس نے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، گُھٹنے گھٹنے تک اس کے جسم پر میل چڑھی ہوئی ہے، بادشاہ سلامت آ کر اُسے جگاتے ہیں کہ اُٹھ میاں! یہ سونے کا وقت ہے۔ تجھے کام پر بھیجنا تھا تیری خاطر دربار خاص لگایا تھا اور تُو کمبل لے کر سو رہا ہے، اُٹھ! اُٹھ کے کمبل اُتار، کپڑے دھو، غسل کر، شرک چھوڑ دے، سُود خوری نہ کر اور مصیبتیں برداشت کر۔ یہ دربار ہے جس کا نقشہ ہمارے سامنے کھینچا جاتا ہے۔ بھلا جو معمولی معمولی ریاستیں ہیں مثلاً شملہ کی ریاستیں جو پانچ پانچ سات سات ہزار آبادی کی ہیں کیا تم نے کبھی وہاں بھی ایسا دربار دیکھا کہ راجہ نے کسی کو بُلایا ہو اور جس کے اعزاز میں دربار منعقد کیا گیا ہو اُس کی یہ حالت ہو کہ وہ کمبل میں سو رہا ہے اور اتنی میل چڑھی ہوئی ہے کہ حد نہیں۔ کپڑوں سے بدبُو آ رہی ہے، پاجامے سے بدبُو آ رہی ہے، راجہ آ کر جگاتا ہے اور جگانے کے بعد کچھ ملامت کرتا ہے اور ملامت کر کے کہتا ہے تیرے سپرد فلاں کام کیا جاتا ہے مگر ایسے گند میں باہر جانا بھی ٹھیک نہیں پہلے کپڑے دھو لے، غسل کر لے اور پھر جا کر یہ کام کر۔ یہ دربار ہے جو غیر احمدی پیش کرتے ہیں۔

حقیقی دربار کی جھلک

اب میں وہ دربار پیش کرتا ہوں جو حقیقتاً قرآن کا دربار ہے اور جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم سے ہمیں سمجھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ دِثَار کے ایک معنی عربی زبان میں اُس کپڑے کے ہوتے ہیں جو سوتے وقت اوپر لیا جاتا ہے [۷] مثلاً کمبل، لوئی یا لحاف وغیرہ اور لوگوں نے یہاں یہی معنے مراد لئے ہیں۔مگر جب مدّثّر کہا جائے گا تو لغت کے لحاظ سے اس کے یہ

معنی ہونگے کہ وہ کمبل یا لوئی اوڑھ کر بھی سو رہا ہے۔ کئی لوگ لوئیاں لے کر تو یہاں بھی بیٹھے ہیں مگر وہ جاگ رہے ہیں۔ مدّثر تب کہا جائیگا جب کوئی لوئی لے کر سو رہا ہو۔ لیکن آجکل کے مولوی کی یہ حالت ہے کہ اِدھر تو ہمیں کفر کا فتویٰ دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اُدھر قرآن میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی لفظ استعمال ہو تو یہ ہمیشہ اس کے بُرے معنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیتا ہے اور عیسیٰؑ کی نسبت وہی لفظ آجائے تو خیر۔ معلوم نہیں عیسیٰؑ اس کا کیا لگتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے اچھے معنے کرتا ہے اور پھر بھی وہ مولوی کہلاتا ہے۔

مُدَّثِّر کے معنی یہ درست ہے کہ مدّثر کے ایک معنی کمبل اوڑھ کر سونے والے کے بھی ہیں مگر مدّثر کے ایک اور معنی بھی ہیں جو اچھے ہیں اور اس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ نہیں سُوجھتے اور وہ معنے ہیں: کپڑے پہن کر تیار ہو جانے والا اور گھوڑے کے پاس کھڑا ہونے والا کہ حکم ملتے ہی فوراً چھلانگ مار کر اس پر سوار ہو جائے۔ [۱۸] یہ بھی لغت میں لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ دِثار کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے معنے ہیں اَلثَّوْبُ الَّذِیْ فَوْقَ الشِّعَارِ [۱۹] یعنی دِثار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو کُرتا وغیرہ کے اوپر پہنا جائے۔ جب انسان نے باہر جانا ہوتا ہے تو وہ خالی کُرتا نہیں پہنتا بلکہ کوٹ پہنتا ہے۔ یا فوج والے لڑنے کے لئے جاتے ہیں تو وردی پہن لیتے ہیں، پس اس کے معنے یہ ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وردی پہنی ہوئی ہے۔

ان مُفسّرین کو یہ تو نظر آتا ہے کہ مدّثر کے معنے کمبل اوڑھ کر سونے والے کے ہیں مگر یہ نظر نہیں آتا کہ اس کے ایک یہ معنے بھی ہیں کہ اے وردی پہن کر کھڑے ہونے والے انسان!۔ اِسی طرح اس کے دوسرے معنے گھوڑے پر چھلانگ لگا کر چڑھنے والے کے ہیں [۲۰] گویا وہ اس بات کے انتظار میں کھڑا ہے کہ حکم ملے تو گھوڑے پر چھلانگ لگا کر سوار ہو جاؤں اور کام کے لئے دوڑ پڑوں۔

اب ان معنوں کو دیکھو اور کمبل اوڑھ کر سو رہنے والے معنوں کو دیکھو کیا اِن دونوں میں کوئی بھی نسبت ہے؟ کیا وہ دربار معلوم ہوتا ہے اور دربار بھی وہ جو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرر کے لئے منعقد ہوا۔ پیچھے مایوسی ہو جائے تو اور بات ہے لیکن یہاں تو ابتداء میں ہی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ گالیاں شروع ہو جاتی ہیں کہ او سونے والے! تیری کام کی طرف توجہ ہی نہیں، میل سے بھرا ہوا ہے اُٹھ! اور تیار ہو اور اپنے کام کی طرف جا اور ہر قسم کے سُستی اور شرک وغیرہ کو چھوڑ۔

قُمْ فَاَنْذِرْ کی تشریح

آگے آتا ہے قُمْ فَاَنْذِرْ اِس کے معنے وہ یہ کرتے ہیں کہ کھڑا ہو جا اور اِنذار کر۔ حالانکہ جو کمبل لے کر سویا پڑا ہے اُس کے سپرد کوئی عقلمند کام ہی کیوں کرے گا۔ وہ تو کہے گا کہ اگر وہ سویا ہوا ہے تو سویا ہی رہے قُمْ فَاَنْذِرْ کے الفاظ تو بتا رہے ہیں کہ جس کے سپرد کام کیا جاتا ہے وہ اپنے اندر کوئی شان رکھتا ہے، وہ اپنے اندر کوئی عزم رکھتا ہے، وہ اپنے اندر کوئی پختہ ارادہ رکھتا ہے۔ وہ قُمْ کا لفظ لے لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے معنے کھڑے ہو جانے کے ہیں حالانکہ جس طرح مدّثر کے دو معنے ہیں اِسی طرح عربی زبان میں قُمْ کے بھی دو معنے ہیں۔ قُمْ کے معنے کھڑے ہونے کے بھی ہیں اور قُمْ کے معنے کسی بات پر ہمیشہ کے لئے قائم ہو جانے کے بھی ہیں۔ انہوں نے پہلے کمبل کے معنے کئے پھر کہا او سونے والے! کھڑا ہو جا۔ ہم نے یہ معنے کئے ہیں کہ اے وہ شخص جو عُہدہ کے مطابق وردی پہنے تیار کھڑا ہے کہ حکم ملتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے کام پر چلا جاؤں قُمْ ہمیشہ کے لئے اپنے کام پر لگ جا اور کبھی بھی اپنے کام میں سُستی مت دکھائیو اور کبھی بھی اپنے کام سے غفلت مت کیجیؤ۔ فَاَنْذِرْ اب ہمیشہ ہمیش کے لئے اِنذار کا مقام اور نبوت کا کام تیرے سپرد کر دیا گیا ہے اب کوئی پنشن نہیں، کوئی چھٹی نہیں، ساری عمر کے لئے یہ کام تیرے سپرد کر دیا گیا ہے۔

رَبَّکَ فَکَبِّرْ کا پہلی آیات سے تعلق

تیسری آیت ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اور اپنے رب کی بڑائی کا دنیا میں ڈھنڈورا پیٹ۔ اب اس آیت کو ذرا پہلی آیت سے ملاؤ کہ ارے سوئے ہوئے! ارے کمبل اوڑھ کر لیٹے ہوئے! ارے نیند کے ماتے اُٹھ! ڈھنڈورا پیٹ۔ بھلا نیند والے نے کیا ڈھنڈورا پیٹنا

ہے محض بے جوڑ معنے ہیں جن کا پہلی آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لیکن مَیں نے جو معنے کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اے وردی پہن کر کھڑے ہونے والے! اے حُکم ملتے ہی گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر دنیا میں دَوڑ جانیوالے! اب ہمیشہ ہمیش کے لئے خدا کا پیغام پہنچانا تیرے سپرد کیا گیا ہے تُو دنیا کو بتا کہ اگر مانو گے تو بچو گے نہیں مانو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔

ثِیَابکَ فَطَھِّرْ کی مضحکہ خیز تفسیر

چوتھی آیت ہے وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ مولوی اس کے یہ معنے کرتے ہیں کہ اپنے کپڑے پاک کر۔ وہ کہتے ہیں نماز جو پڑھنی تھی کپڑے پاک کرنا ضروری تھا گویا صرف نماز کے لئے کپڑے صاف کئے جاتے ہیں۔ انگریزوں نے کبھی کپڑے پاک نہیں رکھے، امریکنوں نے کبھی کپڑے پاک نہیں رکھے جب سے نماز شروع ہوئی ہے اُس وقت سے کپڑے پاک رکھے جانے شروع ہوئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کے معنے یہ بنتے ہیں کہ ان کے نزدیک پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفائی کی طرف کوئی رغبت نہیں تھی نماز کا حکم آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کپڑے صاف رکھو۔

پھر سوچو کہ ان آیات کا آپس میں جوڑ کیا ہوا؟ پہلے معنے کئے او سونے والے اُٹھ! پھر کہا اُٹھ اور دنیا میں جا کر اِنذار کر۔ پھر ساتھ ہی کہہ دیا جا اور کپڑے دھو۔ اب وہ کپڑے دھوئے کہ اِنذار کرے۔ دونوں میں جوڑ کیا ہوا؟ اب یہ مولوی فیصلہ کر لیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے؟ کپڑے دھونے لگتے تھے یا باہر جا کر تبلیغ کرتے تھے؟ غرض ایسی بے جوڑ باتیں کرتے ہیں اور اس قسم کی ہتک آمیز باتیں کرتے ہیں کہ درحقیقت اگر وہ غور کریں تو ان کو معلوم ہو کہ اسلام کے ساتھ ان باتوں کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ ایسی ایسی غیر معقول باتیں کرتے ہیں کہ ہر بُری بات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ بھلا کوئی سمجھائے کہ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کا اِس جگہ جوڑ کیا بنتا ہے۔ اگر پہلی آیت کے یہ معنے ہیں کہ اے کمبل لے کر سونے والے! تو یہ اگلے معنے نہیں لگتے کہ اُٹھ اور دنیا میں شور مچا دے۔ کمبل لے کر سونے والے نے شور کیا مچانا ہے وہ تو پھر سو جائے گا۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مان لیا کہ اُسے ہلایا، پانی کے چھینٹے دیئے اور

وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا مگر جب وہ تبلیغ کرنے کے لئے نکلا تو ہم نے کہا ٹھہر جا ٹھہر جا کپڑے دھولے تیرے کپڑے بہت میلے ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔تبلیغ بھی رہ گئی۔ گویا محمد رسول اللہ علیہ وسلم جیسا پاکیزہ نفس انسان جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ایسا ہے کہ اگر اس پر خدائی نور نہ بھی گرتا تب بھی یہ روشن نظر آتا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے بغیر بھی پاکیزہ تھے اس مقدس انسان کے متعلق یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ جیسے کوئی پہاڑی گڈریا ہوتا ہے کہ مہینوں اُس کو کپڑے دھونے کی توفیق نہیں ملتی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بھی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ویسی ہی تھی۔ پہلے تبلیغ کا حکم دیا پھر خیال آیا کہ بڑی شرمندگی ہوگی لوگوں کو خیال آئے گا کہ کیسے آدمی کو بھیج دیا اس لئے کہہ دیا کہ کپڑے دھولے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تبلیغ کرنے کا ارشاد

اب ہم بتاتے ہیں کہ اس کے کیا معنے ہیں۔ لیکن میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ خالص میرے معنے نہیں بلکہ بعض پہلے صوفیاء نے بھی اس حصہ کے یہ معنے لکھے ہیں پہلے نہیں لکھے لیکن یہ معنے لکھے ہیں ثِیَاب عربی زبان میں لُغۃً تو کپڑوں اور دل کو کہتے ہیں۔[۱۲] لیکن محاورہ میں ثیاب اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ سے انسان کی حفاظت ہوتی ہے، اس کے عیب چھُپتے ہیں اور وہ اس کے گرد لپٹے ہوئے ہوتے ہیں جیسے کپڑا لپٹتا ہے۔ پس استعارہ اور مجاز کے طور پر جیسے لوگ کہتے ہیں فلاں سکندر ہے، حاتم ہے مجازاً اور استعارۃً ثیاب کے معنے ، دوست، رشتہ دار اور قریبی لوگوں کے ہوتے ہیں اور لُغۃً اس کے معنے کپڑے اور دل کے ہیں۔ دل کے معنے مَیں اِس جگہ نہیں لگاتا لیکن مَیں کہتا ہوں کہ جو معنے بھی لگاؤ سیاق وسباق کو مدنظر رکھو۔

میرے نزدیک سیاق وسباق کو مدّنظر رکھتے ہوئے اِس کے جو معنے بنتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اے محمد رسول اللہ! تُو پہلے اپنے بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو سمجھا، پھر اپنے قریبی دوستوں کو سمجھا، پھر اپنی قوم والوں کو سمجھا اور ان کو دین اسلام کی تعلیم کی طرف لا۔ اب

دیکھو یہ معنے یہاں چسپاں ہو جاتے ہیں اور آیات کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اے تقررِ گورنری کی خبر سنتے ہی وردی پہن کر کھڑے ہونے والے! اور اس بات کی امید رکھنے والے کہ حکم ملتے ہی مَیں گھوڑے پر چڑھ جاؤں تیار ہو اور ہمیشہ کے لئے اس کام میں مشغول ہو جا جو ہم نے تیرے سپرد کیا ہے اور سب سے پہلے یہ اِنذار اپنے گھر سے، اپنی بیوی سے اور اپنے رشتہ داروں اور بچوں سے شروع کر۔

اب دیکھ لو یہاں کپڑے دھونے اور اِنذار کرنے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ کپڑے دھونا اِنذار کی تشریح ہے اور ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ سے اِنذار ختم نہیں ہوتا بلکہ جاری رہتا ہے صابن کے گُھت گُھت کرنے سے تو اِنذار ختم ہو جاتا ہے لیکن اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تبلیغ کرنے سے اِنذار ہوتا ہے ختم نہیں ہوتا۔ پس یہ تضاد نہیں بلکہ عین وہی چیز ہے۔

قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثیاب کے معنوں کی تصدیق

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ تُو اُٹھ اور جا کر اپنی قوم کو سمجھا اپنے رشتہ داروں کو سمجھا، اپنے دوستوں اور عزیزوں کو سمجھا، چنانچہ ہم قرآن کریم میں اس کی تصدیق دیکھتے ہیں مثلاً بیویوں کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ [۲۲] عورتیں تمہارا لباس ہیں۔ اب دیکھ لو ان کو ثِیَــــاب بتایا گیا ہے پھر اِسی آیت میں طَهِّـــرْ کا لفظ آتا ہے اور قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے متعلق یہی لفظ استعمال کرتا ہے، فرماتا ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۴﴾ [۲۳] ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت سے کہہ دیا تھا کہ جا اور اپنے خاندان کو پاک کر۔ اب ہم تجھ کو کہتے ہیں کہ وہ جو ہم نے حکم دیا تھا اس کا ہم بھی پکّا ارادہ کر چکے ہیں اور تیرے اہل وعیال کو پاکیزگی کے اعلیٰ مقام پر پہنچا کر چھوڑیں گے۔ گویا وہ خبر اِس جگہ آ کر بیان ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ ہم نے کہا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا لیکن ہم اسے خود پورا کرینگے کیونکہ ہم نبی کو جو کچھ کہا کرتے ہیں اس کی

ذمہ داری ہم پر ہوتی ہے اسی طرح سورہ شعراء میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۲۴؎ یعنی اے محمد رسول اللہ ! تُو اپنے قبیلہ میں سے قریبی رشتہ داروں کو جا کر ہوشیار کر۔ پس ثیاب سے مراد اِس جگہ وہی لوگ ہیں جو کپڑوں کی طرح ساتھ لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور سورۃ شعراء میں اِسی لفظ کو دوسرے رنگ میں ادا کر کے اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے مجازاً ہونے کی تشریح کر دی اور بتا دیا کہ ہماری اس سے یہی مراد ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اِنذارِ قرآن پہنچا دے۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کرنے سے بھی انہی معنوں کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ بخاری کو نکال لو دوسری حدیثوں کو نکال لو، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلا الہام نازل ہؤا تو سب سے پہلے آپ اپنے گھر گئے اور حضرت خدیجہؓ کو خبر دی کیونکہ ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کا حکم تھا کہ پہلے اسلام کی تعلیم اپنی بیوی اور رشتہ داروں کو دو پھر حضرت علی کو بتایا۔ چنانچہ تاریخِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والی اور سب سے پہلے طہارت کو قبول کرنے والی عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ تھیں۔ نابالغ جوانوں میں سے حضرت علیؓ تھے اور بالغ جوانوں میں سے حضرت زیدؓ تھے وہ بھی لوگوں میں آپ کے بیٹے کے طور پر مشہور تھے اِسی طرح بڑی عمر کے لوگوں میں سے ابوبکرؓ تھے جو آپ کے جانی اور جوانی کی عمر کے دوست تھے۔ گویا جس طرح ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کہا گیا تھا عملاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل اُسی طرح کیا۔ لیکن کوئی حدیث نکال کر دکھا دو، ضعیف سے ضعیف نکال کر دکھا دو، منافقوں کی بیان کردہ حدیث نکال کر دکھا دو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس الہام کے بعد فوراً بازار گئے ہوں اور ریٹھے خریدنے شروع کر دیئے ہوں اور پھر کپڑوں کو ریٹھے اور صابن مَل مَل کر کُوٹنے لگ گئے ہوں لیکن ہمارے پاس ثبوت موجود ہے، حدیث موجود ہے جو بتاتی ہے کہ آپ نے پہلے حضرت خدیجہؓ کو خدا تعالیٰ کی بات بتائی، پھر زیدؓ کو بتائی، پھر علیؓ کو بتائی، پھر ابوبکرؓ کو بتائی غرض جس طرح آپ نے عمل کیا وہ حدیثوں میں موجود ہے۔ پس ہمیں دیکھنا چاہئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریٹھے لے کر اور پھٹہ لے کر کپڑے کُوٹنے

شروع کر دیئے تھے یا خدیجہؓ اور علیؓ اور زیدؓ اور ابوبکرؓ کو مسلمان بنانے لگ گئے تھے؟ اور اگر آپ اپنے قریبیوں کو مسلمان بنانے لگ گئے تھے تو یہ اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ کے یہی معنے ہیں کہ تُو اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو قرآن کی تعلیم دے اور ان کو اسلام کی طرف لا۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کی غلط تفسیر

کپڑوں کی گندگی تو خیر کچھ برداشت بھی ہو جاتی ہے آگے آتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اس کے مولوی یہ معنے کرتے ہیں کہ تُو گندگیٔ جسمانی کو دُور کر۔ گویا کپڑے ہی غلیظ نہیں تھے بلکہ آپ خود بھی (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) میلے تھے اب یہ اور بھی لمبا کام ہو گیا۔ انذار بیچارہ تو انتظار ہی کرتا رہے گا پہلے کپڑے دھوئے جائیں گے، حمام میں غسل کئے جائیں گے، میلیں اُتاری جائیں گی اور خبر نہیں کتنی دیر میں یہ کام پورا ہو اِنذار تو ختم ہو گیا لیکن ہم جو معنے کرتے ہیں اس کے لحاظ سے کوئی دقّت ہی پیش نہیں آتی کیونکہ رُجْز کے ایک معنے نہیں بلکہ کئی ہیں اور فَاهْجُرْ کے بھی ایک معنے نہیں بلکہ کئی ہیں ہمیں سارے معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا چاہئے کہ پچھلی آیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کونسے معنے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لحاظ سے تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں آپ کو گورنری پر مقرر کیا جا رہا ہے کوئی قیدی مجسٹریٹ کے سامنے پیش نہیں ہو رہا جس کو جھاڑ پلائی جا رہی ہو بلکہ اعلیٰ درجہ کے عہدہ اور خاتم النّبیّین کے منصب پر ایک شخص مقرر ہو رہا ہے اور بات اس طرح شروع کی جاتی ہے جس طرح کوئی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ مجرم کو جھاڑ رہا ہے۔

رُجْز اور هَجْر کے متعدد معانی

بیشک رُجْز کے معنے عربی زبان میں غلاظت اور میل کچیل کے بھی ہیں [۲۵] لیکن اس کے ایک معنے اَلْعَذَابُ کے ہیں [۲۶] اور ایک معنی عِبَادَةُ الْاَوْثَانِ [۲۷] یعنی بُتوں کی پرستش کے ہیں۔ اسی طرح هَجْرٌ کے بھی کئی معنی ہیں هَجْرٌ کے ایک معنی ہیں چھوڑ دینا اور اعراض کرنا [۲۸]۔ دوسرے معنی ہیں کسی چیز کو پوری طرح کاٹ دینا [۲۹] اور تیسرے معنی ہیں اونٹ کے پیر میں رسّی باندھ کر وہی رسّی اس کی گردن سے باندھ دینا

تا کہ پھندا پڑ جائے اور وہ نکلنا بھی چاہے تو نکل نہ سکے اور اس کی حرکت زیادہ سے زیادہ محدود رہ جائے۔ ۳۰۳ پس وہ تو یہ معنی کرتے ہیں کہ اپنے جسم کی گندگی دُور کر یعنی کپڑے بھی دھو اور جسم کی گندگی بھی دُور کر، لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان معنوں کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کے متعلق یہ تسلیم شُدہ بات ہے کہ بعض دفعہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے اور مراد اُمت ہوتی ہے۔ اس طرح ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ گندگی اور غلاظت دُور کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ کی اُمت ہے لیکن اس جگہ یہ معنے نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ تو گورنر کے تقرر کا اعلان ہے جب اُس کی اُمت کوئی تھی ہی نہیں، جب اُمت تھی ہی نہیں اور آپ کو خاتم النّبیّین کے عُہدہ پر قائم کیا جا رہا تھا تو اُس وقت اِس کا کیا ذکر تھا کہ تیرے مرید کپڑے بھی دھوئیں اور جسم کی غلاظت بھی دُور کریں اُس وقت بہر حال کلام مخصوص تھا محمد رسول اللہؐ سے۔ اُس وقت میں دوسرے لوگوں کی شرکت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے اِن معنوں کا سیاق وسباق سے بھی کوئی جوڑ نہیں۔ پہلے کہا جاتا ہے ساری دنیا کو تبلیغ کر۔ پھر کہتا ہے ٹھہر جا پہلے کپڑے دھو لے۔ پھر کہتا ہے کپڑے بھی ابھی رہنے دے پہلے نہا لے۔ غرض بالکل غیر متعلق باتیں ہیں اور کسی اعلیٰ درجہ کے کلام میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔

اب میں بتاتا ہوں کہ اس آیت کے اصل معنے کیا ہیں اور ہر معنی کے لحاظ سے اس آیت سے کتنے بڑے معارف نکلتے ہیں۔ مَیں نے بتایا کہ رُجْزٌ کے تین معنے ہیں گندگی، عذاب اور شرک۔ اور ھَجْرٌ کے معنے چھوڑنے کے بھی ہیں، کاٹنے کے بھی ہیں اور گلے اور پیر میں رسّہ باندھ کر حرکت کو محدود کرنے کے ہیں۔ اِن معنوں کے لحاظ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق جو معنے بنتے ہیں وہ یہ ہیں۔

دنیا میں غلاظت اور گندگی مٹا دینے کا حکم

اوّل، اے رسول! گندگی کو مٹا دے، گندگی کو چھوڑ دے نہیں! چھوڑنے کے یہ معنے ہیں کہ گندہ ہے اور مٹانے کے یہ معنے ہیں کہ لوگ گندے ہیں تو ان کی گندگی کو دُور کر۔ اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جب ھَجْرٌ کے معنے کاٹ دینے کے بھی پائے جاتے ہیں، جب ھَجْرٌ کے معنے مٹا دینے کے بھی پائے جاتے ہیں، جب ھَجْرٌ کے معنے توڑ دینے کے بھی پائے جاتے ہیں تو تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاظت میں کیوں پھنسانا چاہتے ہو۔ حقیقت تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے عیبوں پر پردہ ڈالتے ہیں، لوگ کہتے ہیں یہ ہمارا دوست ہے یہ ہمارے عیبوں کو چھُپاتا ہے مگر یہ مولوی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بنے پھرتے ہیں اور پھر جھوٹے عیب آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جب ھَجْرٌ کے معنے کاٹ دینے کے بھی ہیں تو وہ کیوں ایسے معنے نہیں لیتے جو محمد رسول اللہؐ کی شان کے مطابق ہیں کہ اے محمد رسول اللہؐ! تُو گندگی کو کاٹ ڈال یعنی دنیا سے اس کا نام و نشان مٹا دے اور یہ بالکل ٹھیک ہے ساری دنیا گندی تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اِس گندگی کو مٹا دے اور تاریخ اِس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر کس طرح عمل کیا۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے تاریخ میں یہ کہیں ذکر نہیں آتا کہ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے یہ کہا ہو کہ صابن لایا جائے اور آپ نے صابن مَل مَل کر میل اُتارنی شروع کر دی ہو اور پھر حدیثوں میں اِس کی تفصیل آتی ہو مگر جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کتبِ اسلام میں لفظاً لفظاً موجود ہے۔

رِجْزٌ کے معنے ہوتے ہیں گندگی۔ لیکن گندگی سے مراد صرف میل نہیں بلکہ رِجْز کے معنے ہیں اشیائے ماحول کی گندگی، جسم کی گندگی، دماغ کی گندگی، دل کی گندگی، خیالات کی گندگی، زبان کی گندگی، یہ ساری باتیں رِجْزٌ کے اندر شامل ہیں اب یہ کتنا شاندار کام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا ہے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے یہ کام کیا ہے تو آپ کی کتنی شان بلند ہو جاتی ہے،

کوئی نبی ہے ہی نہیں جس نے یہ کام کیا ہو، انجیل لاؤ، توریت لاؤ، صُحفِ انبیاء لاؤ، آپ کے مقابلہ میں کوئی نبی ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

اسلام سے پہلے گندگی کو بزرگی کی علامت سمجھا جاتا تھا

اسلام سے پہلے دین کے یہ معنے سمجھے جاتے تھے کہ گندے رہو۔ عیسائی تاریخوں کو نکال کر دیکھ لو مَیں نے پڑھا ہے بعض پادری بڑے بزرگ سمجھے جاتے تھے اور ان کی بزرگی کی علامت یہ سمجھی جاتی تھی کہ چالیس سال سے انہوں نے غسل نہیں کیا اور ناخن اتنے بڑھے کہ کئی کئی انچ لمبے ناخن ہو گئے، گویا ان کے ہاں بزرگوں کا نشان یہی سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی کچھ کمی نہیں کی، انہوں نے ایک زیارت گاہ بنائی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ ایک بزرگ وہاں بیٹھے تھے چالیس سال تک انہوں نے سر نہیں اُٹھایا اور دیوار میں بیٹھے بیٹھے گڑھا پڑ گیا گویا پیشاب اور پاخانہ بھی پاجامہ میں ہی کرتے رہے۔ اس میں عزّت کیا ہے؟ آخر سوچنا چاہئے کہ جو شخص بیٹھا رہا اور ہِلا نہیں اور وہیں اس کے جسم کا نشان پڑ گیا اس کے معنے یہ ہیں کہ اس نے نہ نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا، نہ دین کا کوئی کام کیا، نہ کھانا کھایا، نہ نہایا، نہ پیشاب کیا، نہ پاخانہ کیا، مگر وہ تو ضروری ہے پھر یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ پیشاب، پاخانہ پاجامہ میں ہی کر ڈالتے ہونگے اور ان کا نام انہوں نے زیارت گاہ رکھا ہؤا ہے۔

ہندوؤں میں دیکھ لو ان میں بھی بزرگی کے یہی معنے سمجھے جاتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا بزرگ ہے کہ کوئی اس کو پرواہ ہی نہیں۔ جب سے پیدا ہؤا ہے نہایا نہیں۔ بُدھ جی کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ اتنے بزرگ تھے کہ انہوں نے دیوار کے پاس بیٹھ کر عبادت کرنی شروع کی نیچے سے بانس کا درخت نکلا اور ان کے پیٹ میں سے ہوتے ہوئے سَر میں سے پار نکل گیا مگر وہ ہِلے ہی نہیں۔

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت دنیا میں آئے جب کہ ساری دنیا غلاظت کا پوٹلا بنی ہوئی تھی جب کہ مذہب اور روحانیت کے معنے یہ سمجھے جاتے تھے کہ انسان غلیظ اور گندہ ہو۔ اِس دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود پیدا ہوتا ہے اور

ایسے خلافِ ماحول میں اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! یہ جو تجھے اِرد گرد نظر آتا ہے کہ گندگی کا نام مذہب اور غلاظت کا نام نیکی رکھا جا رہا ہے یہ سب جھوٹ ہے اِن خیالات کو دنیا سے نیست و نابود کر دے۔

جسم کی صفائی کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جمعہ کو آؤ تو غسل کر کے آؤ، مسجد میں آؤ تو پیاز کھا کر یا لہسن کھا کر نہ آؤ تا کہ تمہارے مُنہ سے بدبُو نہ آئے۔ عطر لگا کر آؤ۔ پھر انسان کے ساتھ شہوت لگی ہوئی ہے اسلام نے حکم دیا ہے کہ اس کے بعد غسل کیا جائے لوگ پوچھتے ہیں کہ غسلِ جنابت کا فائدہ کیا ہے؟ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ غسلِ جنابت ہی ہے جو تمہیں پاکیزہ رکھتا ہے۔ اب تم مجبور ہو جاتے ہو کہ غسل کرو اور اگر غسلِ جنابت نہیں کرتے تو بے دین سمجھے جاتے ہو۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر دنیا کی کایا پلٹ دی، مذہب کا نام غلاظت سمجھا جاتا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کا نام صفائی رکھ دیا۔ اِسی طرح لباس کی صفائی کے متعلق آپ نے احکام دیئے کہ جمعہ کے دن نئے کپڑے یا دُھلے ہوئے کپڑے پہن کر آؤ، عیدوں پر تمہارے کپڑے دُھلے ہوئے ہوں، غرض جسمانی صفائی پر آپ نے اتنا زور دیا کہ دنیا میں روحانیت کا جو نقشہ تھا اُس کو بالکل بدل دیا۔ پہلے گندے اور غلیظ آدمی کے متعلق کہتے تھے کہ یہ نیک ہے اب صاف اور پاکیزہ آدمی کو نیک کہتے ہیں کتنا بڑا تغیر ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا۔

حضرت خلیفہ اوّل کا ایک واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ سر میں چکر آنے کی مرض تھی آپ بادام روغن اور مشک کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول سناتے تھے کہ ایک دفعہ مَیں درس دے کر واپس آ رہا تھا کہ ایک ہندو جس کے مکانات میں بعد میں صدر انجمن احمدیہ کے دفتر بن گئے (کیونکہ ہم نے وہ مکان خرید لیا تھا) اور جو ریٹائرڈ ڈپٹی تھا

اپنے صحن میں بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا حکیم صاحب! ایک بات پوچھنی ہے آپ خفا تو نہیں ہونگے؟ سنا ہے کہ مرزا صاحب پلاؤ اور بادام روغن کھا لیتے ہیں؟ مَیں نے کہا ٹھیک ہے کھا لیتے ہیں۔ حیران ہو کر کہنے لگا کیا یہ ٹھیک بات ہے؟ مَیں نے کہا ڈپٹی صاحب! ہمارے مذہب میں پلاؤ اور بادام روغن جائز ہے۔ کہنے لگا کیا فقراء کے لئے بھی جائز ہے؟ میں نے کہا ہاں ہمارے مذہب میں فقراء کو بھی پاک چیزیں کھانے کا حکم ہے۔ اس پر وہ ''اچّھا''! کہہ کر واپس چلا گیا گویا جو طیّب چیزیں کھائے وہ ان کی نگاہ میں بزرگ نہیں ہوسکتا تھا۔

یہ تو حضرت خلیفہ اوّل کا واقعہ ہے جو تہذیب سے بات کرتے تھے ہمارے ایک اور دوست تیز زبان تھے اور مذاقیہ طبیعت کے تھے امرتسر کے رہنے والے تھے ان کے جواب ہمیشہ اِسی طرز کے ہوا کرتے تھے۔ ان کو کوئی ہندو مجسٹریٹ مل گیا اور کہنے لگا کیا ہے تمہارا مرزا تم کہتے ہو وہ خدا کا مأمور ہے اور یہ ہے اور وہ ہے ہم نے سنا ہے کہ وہ بادام اور پستہ اور مُرغ سب چیزیں کھا لیتا ہے۔ وہ کہنے لگے آپ مرزا صاحب کو چڑانے کے لئے پاخانہ کھایا کریں مجھے اِس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ غرض اس نے اپنے رنگ میں جیسے اس کا اپنا مذاق اور علم تھا جواب دیدیا تو بات یہ ہے کہ دنیا میں بزرگی کا نقشہ یہی کچھ رہ گیا تھا کہ انسان غلیظ اور گندہ ہو۔

مکان کی صفائی کے متعلق ارشادات

اسی طرح مکان کی صفائی بھی کوئی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کی صفائی کا بھی حکم دیا[۳۱] چنانچہ آپ نے مسجد کی صفائی کے متعلق کئی احکام دیئے (اصل مکان جو آپ کے قبضہ میں تھا وہ وہی تھا) آپ نے فرمایا مسجد کو صاف رکھو، اس میں جھاڑو دیا کرو، اس میں خوشبوئیں جلایا کرو تا کہ وہ صاف رہے۔[۳۲]

راستوں کی صفائی کا حکم

اسی طرح راستوں کی صفائی کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا آپ نے فرمایا اس شخص کو ثواب ملتا ہے جو راستہ میں سے پتھر وغیرہ اُٹھا دے۔[۳۳] پاخانہ کے متعلق فرمایا کہ جو شخص

راستہ میں پاخانہ پھرتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہے،[۳۴] جو شخص کھڑے پانی میں پیشاب کرتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو شخص راستہ سے پتھر یا کانٹوں کو ہٹا دیتا ہے یا گندی چیزوں کو ہٹا دیتا ہے اسے ثواب ملتا ہے۔ اگر کوئی مسجد میں تھوک بیٹھے تو فرمایا وہ اسے وہاں سے اُٹھا کر مٹی میں دفن کر دے۔[۳۵] غرض اتنے احکام ہیں صفائی کے کہ اس تہذیب یافتہ زمانہ میں بھی ہمارا ملک کم سے کم ان پر عمل نہیں کر رہا۔ یہ طہارت اور نظافت کے احکام ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں قائم ہوئے۔

افکار کی صفائی کے متعلق ہدایات

پھر آپ نے کہا کہ افکار کی صفائی بھی ضروری ہے گویا آپ نے ہر ایک چیز کی صفائی کا حکم دیا ہے صرف جسم کو مل مل کر دھونے کا حکم نہیں مثلاً فکر ہے اس کی صفائی کا بھی آپ نے حکم دیا فرمایا بدظنی نہیں کرنی،[۳۶] بُغض اور کینہ دل میں نہیں رکھنا[۳۷] گویا دماغ اور خیالات کی پاکیزگی بھی آپ نے قائم کی اور حکم دیا کہ کسی قسم کے بدخیالات اور بدارادے تم نے نہیں رکھنے۔

قلب کی صفائی کا حکم

پھر قلب کی صفائی کو مدّنظر رکھتے ہوئے آپ نے محبت خالص کا حکم دیا، نِفاق سے روکا، سچے تعلقات اور وفاداری پر زور دیا۔[۳۸]

زبان کی صفائی کا حکم

پھر زبان کی صفائی کا حکم دیا فرمایا گالی گلوچ نہیں کرنی، سخت الفاظ نہیں بولنے، دوسرے سے محبت کے ساتھ پیش آنا ہے۔[۳۹]

مُنہ کی صفائی کا حکم

پھر مُنہ کی صفائی ہے مُنہ کی صفائی کے لئے مسواک کا حکم دیا بلکہ یہاں تک فرمایا کہ فرشتے نے مُنہ کی صفائی کے متعلق اتنا زور دیا کہ میں نے سمجھا شاید فرض ہو جائے۔ پھر فرمایا میں ہر نماز کے لئے مسواک اس لئے ضروری قرار نہیں دیتا کہ کہیں میرے حکم کے بعد خدا اس کو فرض قرار نہ دیدے۔[۴۰]

عظیم الشان تغیر

یہ کتنا عظیم الشان تغیر ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی دنیا دیکھو، پہلی تاریخیں پڑھو، ہندوؤں کی تاریخیں پڑھو، عیسائیوں کی تاریخیں پڑھو، یہودیوں کی تاریخیں پڑھو وہ غلاظت کا ٹوکرا معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو دیکھو یہاں بڑا بزرگ تو الگ رہا جو چھوٹے سے چھوٹا بزرگ تھا وہ بھی پاکیزہ اور صاف سُتھرا اور نہایا دھویا ہوا نظر آتا ہے۔

گندگی اور غلاظت کے ساتھ خدا نہیں ملتا

اب ان معنوں کے لحاظ سے **وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ** کے یہ معنے بنتے ہیں کہ اے ہمارے گورنر! جو یہ پتہ لگتے ہی کہ ہم اس کو ایک اہم کام سپرد کرنے لگے ہیں وردی پہن کر گھوڑے کے پاس تیار کھڑا ہو گیا ہے کہ چھلانگ لگا کر سوار ہو جاؤں دائمی طور پر اپنے کام میں لگ جا اور دنیا کو ہوشیار کر اور پہلے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی اصلاح کر، پھر باقی دنیا کی اصلاح کا فرض سرانجام دے اور ہر قسم کی صفائی دنیا میں قائم کر اور لوگوں کو بتا کہ گندگی اور غلاظت کے ساتھ خدا نہیں ملتا بلکہ انسان کا ذہن کُند ہو جاتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔

رُجز کے دوسرے معنوں کے لحاظ سے آیت کی تشریح

اب ہم اس آیت کو دوسرے معنوں کے لحاظ سے لیتے ہیں۔ دوسرے معنے رُجز کے عذاب کے تھے اس کے لحاظ سے آیت کے یہ معنے بن جائیں گے کہ تُو عذاب کو دنیا سے مٹا دے۔ ان معنوں کے رو سے مندرجہ ذیل مطالب اس آیت کے نکلتے ہیں۔

تعذیبِ نفس کی ممانعت

اوّل اسلام سے پہلے مختلف ادیان میں تعذیبِ نفس کو روحانیت کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا مثلاً کہتے تھے کہ بیٹے کی قربانی خدا کے قریب کر دیتی ہے۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ شادی نہ کرنا، رہبانیت اختیار کرنا اور اپنے نفس کا بیکار کر دینا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ ہتھیار کے ساتھ اپنے

آپ کو ہیجڑا بنا لینا یہ بڑی نیکی ہے۔ اپنے آپ کو اُلٹا لٹکائے رکھنا یعنی سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر لینا، یہ بڑی نیکی ہے۔ ٹھنڈے موسم میں دریا میں بیٹھے رہنا یہ بڑی نیکی ہے، گرمی کے موسم میں دھوپ میں بیٹھ رہنا یہ بڑی نیکی ہے، جسم پر کوڑے لگانا یہ بڑی نیکی ہے۔ اچھی اور پاکیزہ چیزیں نہ کھانا یہ بڑی نیکی ہے۔

پس فرماتا ہے ہم نے ان تمام باتوں کی تیرے ذریعہ سے اصلاح کر دی ہے اور ہم تجھے حکم دیتے ہیں کہ وہ تمام احکام جن کو دین کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، جن کو روحانیت کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، جن میں انسان کے دل کو یا جسم کو یا دماغ کو عذاب دیا جاتا تھا وہ ساری کی ساری چیزیں منسوخ کی جاتی ہیں۔ خدا سے ملنے کے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ کسی کا ناک کاٹا جائے یا کسی کو اُلٹا لٹکایا جائے۔ خدا کے ملنے کے لئے روحانی ذرائع ہیں یہ غلط طریق تھے جو دنیا نے جاری کئے ہوئے تھے۔ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جا اور ان کو منسوخ کر اور دنیا کو بتا دے کہ یہ غلط طریق تھے جو اس نے اختیار کر لئے تھے۔

عورتوں کو مُعَلَّقہ چھوڑنے اور آگ کا عذاب دینے کی ممانعت

اِسی طرح عورتوں کو مُعَلَّقہ چھوڑا جاتا تھا یہ بھی تہذیب تھی، آگ کا عذاب دیا جاتا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کسی کو آگ کا عذاب دینے کی اجازت نہیں یہ خدا کا حق ہے کہ وہ جہنّم میں ڈالتا ہے تمہیں حق نہیں کہ ایسا کرو۔

غلامی کی ممانعت

اِسی طرح دنیا میں غلامی کا رواج تھا انسان کی آزادی کو چھین لیا جاتا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ عذاب بند کیا جاتا ہے اب کوئی غلامی نہیں۔[۴۱]

جانوروں کو دُکھ دینے کی ممانعت

جانوروں کے مُنہ پر لوگ ٹھپّے لگاتے تھے اور اس طرح جانوروں کی مختلف قِسمیں بناتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح جانور کو تکلیف ہوتی ہے اگر تم نے نشان ہی لگانا ہو تو جانوروں کی پیٹھ پر لگاؤ تا کہ انہیں کم سے کم تکلیف ہو۔[۴۲]

جانوروں کے متعلق لوگ سمجھتے تھے کہ وہ حقیر اور ذلیل چیز ہیں اور ان کے احساسات کا خیال رکھنے کی ضرورت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت کو محض اس لئے عذاب دیا گیا کہ اُس نے بلّی کو باندھ رکھا اور اُسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مرگئی پس اُسے دوزخ میں داخل کیا گیا۔[۴۳] اور فرمایا ایک عورت کو اس لئے جنت میں داخل کیا گیا کہ اس نے ایک کُتّے کو جو پیاسا تھا وہ اپنا جُوتا لے کے کنویں میں اُتری اور اس میں پانی بھر کر اُسے پلایا اِس وجہ سے خدا نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔[۴۴]

ہر حصّۂ زندگی سے تعذیب کا اخراج

یہ تعلیم بتا رہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا سے کس طرح عذاب کو مٹایا گیا اور عذاب دینے کو بُرا اور ناپسند قرار دیا گیا حالانکہ اس سے پہلے یہ باتیں ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ وہاں روحانیت کی ترقی کے لئے لوگ اپنے جسم پر کوڑے مارتے تھے اور یہاں ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک رسّی لٹکی ہوئی ہے آپ نے اپنی بیوی سے پوچھا یہ رسّی کس لئے لٹکائی ہے؟ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! جب میں عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہوں تو رسّی پکڑ لیتی ہوں تاکہ مجھے نیند نہ آئے۔ آپ نے فرمایا خدا کو تمہارے نفس کو تکلیف میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں جب تک تمہارا نفس برداشت کر سکتا ہو عبادت کرو اور جب نہ کرے نہ کرو[۴۵] تو دیکھو تعذیب کو کس طرح ہر حصّہ و زندگی سے مٹا دیا گیا ہے۔ پس فرماتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا میں روحانیت کی ترقی کے لئے غلط معیار قائم ہو گئے ہیں لوگ کہتے ہیں روحانیت کی ترقی اور نفوس کی اصلاح کے لئے ہیجڑے بن جاؤ، پلاؤ کے اندر مٹی ملاؤ یا اس میں تیل ملاؤ یا سردیوں میں اُلٹے لٹک جاؤ، گرمیوں میں آگ کے سامنے بیٹھو یہ سب لغو باتیں ہیں ہم ان کو منسوخ کرتے ہیں خدا کو ان غلاظتوں اور تکلیفوں سے کوئی تعلق نہیں۔ خدا تو تم کو آرام پہنچانا چاہتا ہے خدا تم کو عذاب میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ خدا نے اپنے تک پہنچنے کے راستے اور قسم کے بنائے ہیں جن سے بغیر نفس کی ذلّت کے، بغیر کسی نفس کو توڑ دینے کے، بغیر جذبات کو مار دینے کے خدا

تک انسان پہنچ سکتا ہے خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ان باتوں کو رائج کرے۔

رُجْز کے تیسرے معنے

تیسرے معنے اَلرُّجز کے شرک کے ہیں [46] اس لحاظ سے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کے یہ معنے ہوں گے کہ تُو شرک مٹا دے۔ دیکھو شرک کو چھوڑ دے اور شرک کو مٹا دے میں فرق ہے۔ مولویوں نے اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ تُو شرک چھوڑ دے حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک پہلے ہی چھوڑا ہؤا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ مَیں نے کبھی شرک نہیں کیا۔ [47] پس یہ معنے کرنا کہ ''شرک چھوڑ دے'' محمد رسول اللہ ؐ کی ہتک ہے اور یہ معنے کرنا کہ ''شرک کو مٹا دے'' یہ رسول اللہ ؐ کا اصل کام ہے۔ خدا فرماتا ہے تو شرک کو توڑ دے کیونکہ هَجْرٌ کے معنے توڑ دینے اور مٹا دینے کے بھی ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی اتنی اعلیٰ تعلیم دی کہ شرک کی جڑ اُکھیڑ کر رکھ دی۔

انسانیت کی تذلیل کا ایک بھیانک نظارہ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے تھے بھلا سوچو تو سہی کہ اُس وقت کیسا بھیانک نظارہ نظر آتا تھا کہ ابوجہل جیسا انسان جو باتیں کرتا تھا تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے عقلمندوں میں سے ہے۔ ابوسفیان جس کا اسلام لانے کے بعد بھی عرب پر سکّہ جما ہؤا تھا اور لوگ اُس کی عزّت کرتے تھے اُن کی یہ حالت تھی کہ اپنے سامنے مٹی کا بنا ہؤا بُت رکھتے ہیں اور اُس کے آگے گِر جاتے ہیں اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتنی ذلّت تک انسانی دماغ پہنچا ہؤا تھا۔

بُتوں کی بے بسی

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیم دینی شروع کی تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کیونکہ ماں باپ سے سُنا ہؤا تھا کہ بُتوں میں طاقت ہوتی ہے ہماری عادت تھی کہ جب ہم باہر کسی کام کے لئے جاتے تو ایک چھوٹا سا پتھر کا بنا ہؤا بُت اپنے ساتھ لے جاتے تا کہ اُس کی برکت سے ہم مصیبتوں سے بچے رہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں سفر پر گیا اور بُت کو اپنے ساتھ لے لیا ایک جگہ پہنچ کر مجھے ایک ضروری کام پیش آیا مَیں نے اسباب

رکھا اور بُت کو پاس بٹھا کر کہا حضور والا! آپ ذرا میرے اسباب کا خیال رکھیئے مَیں ایک ضروری کام کے لئے جا رہا ہوں یہ کہہ کرمَیں چلا گیا۔ وہ کہنے لگے کام کر کے جب میں واپس آ رہا تھا تو مَیں نے دیکھا کہ گیدڑ نے اُس کے سر پر پیر رکھا ہوٴا ہے اور پیشاب کر رہا ہے۔ گیدڑ اور کُتّے کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ٹانگ اُٹھا کر اور کوئی سہارا ہو تو اُس پر رکھ کر پیشاب کرتا ہے میں نے آتے ہی اُسے اُٹھا کر پرے پھینک دیا اور مَیں نے کہا اپنے آپ کو تو پیشاب سے بچا نہیں سکتا میرے سامان کو تُو نے کیا بچانا ہے اور میں آ کر مسلمان ہو گیا ۴۸؎ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تعلیم شرک کے خلاف پیش کی وہ ایسی نفسوں میں گڑ گئی کہ جو بھی سنتا تھا وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا تھا اس سے باہر نکلنے کی اس میں جرأت ہی نہیں تھی۔

ہندہ کا اعترافِ توحید

ہندہ کا واقعہ مشہور ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مسلمانوں کو جو لوگ دُکھ دینے والے تھے، جنہوں نے مسلمانوں پر بعض دفعہ انسانیت سوز مظالم کئے تھے یعنی ان کے ناک کان وغیرہ کاٹے تھے ان میں ہندہ بھی تھی۔ ایسے لوگوں کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ ان کو معافی نہیں ہوگی بلکہ ان کو پکڑ کر سزا دی جائے گی ہندہ کے متعلق بھی یہی احکام تھے مگر ہندہ بڑی ہوشیار عورت تھی چھپ گئی اُسے تلاش کیا گیا مگر نہ ملی مسلمانوں نے سمجھا کہ کہیں بھاگ گئی ہے۔ درمیانی طرز کے لوگ جو غور کر رہے تھے اور اس لڑائی کا انجام دیکھنا چاہتے تھے جب مکہ فتح ہو گیا تو انہوں نے سمجھا کہ اسلام سچا ہے ان کے لئے آپ نے بیعت کا اعلان کر دیا۔ عورتوں کے لئے بھی اعلان ہوٴا چنانچہ سینکڑوں عورتیں بیعت کے لئے آئیں اور ان میں ہندہ بھی چُھپ کر آ گئی۔ بیعت کے وقت جو الفاظ دُہرائے جاتے تھے ان میں یہ الفاظ بھی آتے تھے کہ ہم شرک نہیں کریں گی، باقی الفاظ تو وہ دُہراتی چلی گئی جب آپ ان الفاظ پر پہنچے کہ کہو ہم شرک نہیں کریں گی تو چونکہ ہندہ کی طبیعت بڑی تیز تھی فوراً مجلس میں بول اُٹھی کہ کیا اب بھی ہم شرک کریں گی؟ تم اکیلے تھے اور ہم سارے تم کو مارنے کے لئے اکٹھے ہوئے، تم کمزور تھے اور ہم طاقتور تھے، ہم نے

ساری قوم کا زور صَرف کیا مگر تمہارا خدا جیتا اور ہم ہارے کیا اب بھی ہم شرک کریں گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہندہ ہے؟ جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے لئے تو سزا تجویز ہے، اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! اب آپ کو مجھ پر کوئی اختیار نہیں، اب مَیں مسلمان ہو چکی ہوں۔[۴۹] تو دیکھو یہ توحید کی تعلیم تھی جس نے دلوں کو اس طرح صاف کر دیا کہ دیکھنے والا سمجھتا تھا کہ سب لغو اور عبث باتیں ہیں بھلا شرک کوئی مان سکتا ہے۔

مشرکانہ عقائد کے پَیرو بھی آج توحید کو ہی درست سمجھتے ہیں

پھر جُوں جُوں تعلیم پھیلی شرک مِٹتا گیا۔ یورپ میں اب بھی ایسے گرجے موجود ہیں جن میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر لٹکی ہوئی ہوتی ہے اور جن کے آگے وہ سجدے کیا کرتے تھے۔ ہندوؤں میں بھی لاکھوں دیوتا تسلیم کئے جاتے تھے مگر اب دیکھو ہندوؤں میں جتنے نئے فرقے نکلے ہیں سب توحید پیش کرتے ہیں آخر ہزاروں لاکھوں بُت جو ایجاد ہوئے ہیں تو ہر زمانہ میں ایجاد ہوتے رہے ہیں مگر اب کوئی نئی مومنٹ بتا دو جس میں کوئی نیا بُت ایجاد کیا گیا ہو۔ اب آریہ سماجی نکلے، بنگال کی برہمو سماج نکلی، اِسی طرح بنگال کی دیویکانند[۵۰] کی سوسائٹی ہے۔ ٹیگور[۵۱] تھا، غرض جتنے نکلے سب نے توحید پیش کی اور کہا کہ ہمارے مذہب میں بُت ہیں ہی نہیں۔ یہ سب باتیں ہیں یہ نتیجہ تھا اسلام کی تعلیم کا۔ ادھر عیسائیت جو مسیح اور مریم کی خدائی کو پیش کیا کرتی تھی اب جس عیسائی سے پوچھو وہ کہتا ہے یہ تو ظہور ہیں۔ ایک ظہور کا نام باپ رکھ دیا، ایک ظہور کا نام بیٹا رکھ دیا، ایک ظہور کا نام روح القدس رکھ دیا، ورنہ خدا تو ایک ہی ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جا اور شرک کو دنیا سے اُکھیڑ کر پھینک دے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کر دکھایا۔ کہاں ہیں ہُبل اور لات اور عُزّیٰ؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھوڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دلوں سے شرک کو نکال پھینکا اور وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کے حکم کو ایسے طور پر پورا کیا کہ آج کسی شریف آدمی کو مجلس میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کہ خدا کے سِوا کوئی اور بھی اُس

کا شریک ہے۔

یہ کتنا عظیم الشان تغیر ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا اور جس کی مثال دنیا کے کسی نبی کی زندگی میں بھی نہیں ملتی۔ پس مبارک ہے وہ جس نے اپنے گورنر جنرل کے لئے یہ پروگرام تجویز کیا اور مبارک ہے خدا تعالیٰ کا یہ گورنر جنرل جس نے اس پروگرام کو اس طرح پورا کیا کہ جس طرح اسے پورا کرنے کا حق تھا۔

شرک کو باندھ رکھنے کا حکم

چوتھے معنے اس کے یہ بنتے ہیں کہ تُو شرک کو باندھ دے یعنی باوجود اس کے کہ تُو توحید کی تعلیم دے گا لوگ مسلمان ہونگے اور شرک چھوڑتے چلے جائیں گے پھر بھی شرک دنیا میں قائم رہے گا کیونکہ شرک نفس کو عیاشی پر قائم رکھنے کی درمیانی سٹیج ہے۔ جب تک انسانی نفس کے اندر کمزوری رہے گی وہ جھوٹے یا سچے طور پر شرک کا قائل رہے گا۔

نفسِ گنہگار کی تسلّی کے لئے شرک ایک ضروری چیز ہے

مسلمان یُوں تو اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن جب ان کا دل چاہتا ہے کہ اسلامی احکام کو توڑ دیں تو توڑ دیتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کا دل پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ جنت میں بھی جائیں اِس لئے کہتے ہیں فلاں بزرگ کی قبر پر چڑھاوا چڑھا دیا تو جنت میں چلے گئے، فلاں کی بیعت کر لی تو چلو جنت مل گئی۔ پس شرک نفسِ گنہگار کو تسلّی دینے کا ایک ذریعہ لوگوں نے بنایا ہؤا ہے جب تک نفسِ گنہگار باقی رہے گا شرک کسی نہ کسی شکل میں باقی رہے گا۔ حضرت خلیفہ اوّل سنایا کرتے تھے کہ ہماری ایک بہن تھیں جو کسی پِیر صاحب کی مرید تھیں ایک دفعہ قادیان مجھے ملنے کے لئے آئیں تو مَیں نے کہا بہن! تم احمدی نہیں ہوتیں اس کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگیں ہم نے پِیر پکڑ لیا ہے اور پِیر صاحب کی بیعت کر لی ہے اب ہمیں کسی اَور کی ضرورت نہیں۔ مَیں نے کہا پِیر صاحب کی بیعت نے تمہیں فائدہ کیا دیا ہے کہنے لگی فائدہ یہ دیا ہے کہ وہ کہتے ہیں اب تم نے ہماری بیعت کر لی ہے اس لئے اب تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں جو تمہاری مرضی ہو کرو تمہارے گناہ ہم نے اُٹھا لئے ہیں اور اب تمہارے سب گناہوں کے ہم جوابدہ ہیں۔

مَیں نے کہا اچھا بہن اب جاؤ گی تو اُن سے پوچھنا کہ ایک ایک گناہ کے بدلہ میں جو لوگوں کو اتنی جُوتیاں قیامت کے دن پڑنی ہیں جن کی حد نہیں تو جب آپ نے ہم سب کے گناہ اُٹھا لئے ہیں تو آپ کو کتنی جُوتیاں پڑیں گی؟ چنانچہ وہ گئی اور پھر واپس آئی تو مَیں نے کہا پوچھا تھا؟ کہنے لگی ہاں پوچھا تھا مگر وہ سوال تو پِیر صاحب نے حل کر دیا۔ میں نے کہا کس طرح؟ کہنے لگی پِیر صاحب نے کہا دیکھو جب تم پُل صراط پر جاؤ گی اور فرشتے پوچھیں گے کہ تمہارے یہ یہ گناہ ہیں تو تم کہہ دینا ہمیں کچھ پتہ نہیں یہ پِیر صاحب کھڑے ہیں اِن سے پُوچھو۔ جیسے ریلوے سفر میں ایک ایک کے پاس ٹکٹ ہوتے ہیں اور ریل والے پوچھتے ہیں کہ ٹکٹ کہاں ہے تو اُن سے کہا جاتا ہے کہ فلاں سے لے لو اسی طرح وہاں ہوگا۔ کہنے لگی اچھا پیر صاحب! جب وہ آپ سے پوچھیں گے تو آپ کیا کہیں گے؟ کہنے لگے جب فرشتوں نے ہم سے پوچھا تو ہم آنکھیں سُرخ کر کے کہیں گے شرم نہیں آتی کربلا میں ہمارے دادا نے جو قربانی دی تھی کیا اِس کے بعد ہم سے پوچھنے کی کوئی ضرورت رہ گئی ہے؟ اور فرشتے شرمندہ ہوکر ایک طرف ہو جائیں گے اور ہم دگڑ دگڑ کر کے جنت میں پہلے جائیں گے۔ تو درحقیقت شرک جہاں ایک گندی چیز ہے، شرک جہاں ایک ناپاک چیز ہے وہاں وہ نفسِ گنہگار کے لئے ایک ضروری چیز بھی ہے جس کے بغیر اس کا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ جس طرح مسلمان گنہگار کا شفاعت کے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا، اسی طرح غیر مسلمان کا شرک کے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا مسلمان بھی یہی کہتا ہے۔

ع مستحق شفاعت گنہگار انم

چلو چھٹّی ہوگئی۔ شفاعت کے ہوتے ہوئے اب کسی عمل کی کیا ضرورت ہے؟ پس اِس قسم کی شفاعت اور اِس قسم کا کفارہ دنیا سے مٹے گا نہیں، تھوڑا بہت قیامت تک ضرور رہے گا ورنہ گنہگار کا ہارٹ نہ فیل ہو جائے۔ اس کے دل کو تسلّی دلانے اور اُس کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے یہ لازمی چیز ہے کہ کوئی نہ کوئی سہارا ہو۔ جس طرح انسان بیہوش ہونے لگے تو پتھر پر سہارا لے لیتا ہے اِسی طرح مسلمان شفاعت کے پتھر پر ہاتھ رکھ کر سہارا لے لیتا ہے اور عیسائی کفارہ کے پتھر پر سہارا لے لیتا ہے۔

شرک کی مضرّتوں سے دنیا کو محفوظ رکھنے کا حکم

پس چوتھے معنے اس کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو شرک کو مٹائے گا اور وہ بہت کچھ مٹے گا لیکن پھر بھی کسی نہ کسی شکل میں وہ دنیا میں قائم رہے گا کیونکہ شرک ایک لازمی چیز ہے پھر اس کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ اس کے لئے فرماتا ہے تو شرک کو باندھ دے یعنی جب ایک ضرر نے موجود رہنا ہے اور خدا تعالیٰ نے دنیا کو ایسی شکل میں پیدا کیا ہے کہ گنہگار کے ساتھ شرک نے قائم رہنا ہے تو پھر مؤمنوں کو اُس کے ضرر سے کس طرح بچایا جائے۔ اس کا طریق یہی ہے کہ جس چیز نے قائم رہنا ہو اس کے ضرر کو کم کر دیا جاتا ہے مثلاً بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق ڈاکٹر کہتے ہیں انہوں نے ہٹنا نہیں۔ ایسی بیماریوں کا علاج یہ ہوتا ہے کہ انہیں کسی دوا سے دبا دیا جاتا ہے مثلاً کھانسی آتی ہے تو اوپیم دے دی بلغم دبا رہا۔ شرک کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شرک بیشک مٹے گا مگر جو باقی رہے گا اسے اس طرح باندھ دو کہ وہ دَوڑ کُود کر دنیا میں پھیل نہ سکے اور اس کی مضرّت باقی نہ رہے۔

ایک داعی اِلَی الْخیر جماعت

اس کا طریق یہ بتایا کہ مؤمنوں کی جماعت اسلام میں قائم رہے جو شرک کے خلاف لوگوں کو کہتی رہے اور دلائل دیتی رہے تا کہ لوگ جب شرک کی طرف مائل ہونے لگیں تو اِنذار وتخویف اور حقیقت کے بیان کے ساتھ اور وعظ اور نصیحت کے ساتھ نیک طبیعتیں رُک جائیں جس طرح جانور کے پَیر کو گردن سے باندھتے ہیں تو وہ دَوڑ نہیں سکتا اسی طرح شرک دَوڑنے کے قابل نہ رہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۰۵﴾**[۵۲] یعنی چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیکی اور تقویٰ اور اسلام کی طرف لوگوں کو بُلائے اور انہیں نیک باتوں کا حکم دے اور بُری باتوں سے روکے **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** اور جس قوم میں یہ بات پائی جاتی ہے وہ ضرور کامیاب ہوتی ہے کیونکہ وہ شرارت کو دبائے رکھتی ہے بڑھنے

نہیں دیتی۔ جیسے جنگل میں کہیں گندہ بیج پڑ جائے تو وہ مٹتا نہیں بلکہ پھیل جاتا ہے لیکن اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی کھیتی ہو تو زمیندار جانتا ہے کہ اس میں بھی بعض دفعہ دب گھاس نکل آئے گی، بعض دفعہ تھوہریں نکل آئیں گی، بعض دفعہ بکولیاں پیدا ہو جائیں گی، بعض دفعہ آک نکل آئے گا۔ اُس وقت ضرر سے بچنے کا کیا طریق ہوتا ہے؟ یہی ہوتا ہے کہ زمیندار ہل چلاتے ہیں بیشک وہ پھر بھی نکلتی ہیں لیکن کمزور ہو جاتی ہیں اور کھیت کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

پس تم ایسے مبلّغ مقرر کرتے رہو اور مسلمانوں میں سے ایک ایسی جماعت کو مخصوص کرو جو دین کی خدمت میں لگی رہے جس کی وجہ سے اس قسم کے شر آمیز اور نقصان دہ مادوں کا ہل کے ساتھ قلع قمع ہوتا رہے بیشک شرّ کا بیج پھر بھی موجود رہے گا لیکن وہ کمزور ہو جائے گا اور اصل فصل کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

مسلمانوں کا تبلیغِ اسلام سے تغافل

مسلمانوں نے اِس پر ایک زمانہ میں عمل کیا لیکن افسوس ہے کہ بعد میں مسلمان اپنے اس فرض کو بُھول گئے اب صرف احمدی جماعت ہی ہے جو ہل چلا چلا کر دب، گھاسوں اور جڑی بُوٹیوں کو دُور کر رہی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے فائدہ کے لئے یہ کام ہو رہا ہے وہ اِسی کا نام انکارِ جہاد رکھتے ہیں، اصل جہاد احمدی کر رہے ہیں اور مولوی کہتا ہے کہ چھوڑ دو یہ ہل چلانے آک نکلنے دو، تھوہریں نکلنے دو، بکولیاں پیدا ہونے دو، کھیتوں کو برباد ہونے دو، مسلمانوں کو بھُوکا مرنے دو، تم تو بے ایمان ہو گئے ہو جو مسلمانوں کے لئے روٹی مہیّا کر رہے ہو۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کی تشریح

آگے فرماتا ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ غیر احمدی مولوی اس کے یہ معنے کرتا ہے کہ لوگوں پر اس نیت سے احسان نہ کر کہ تجھے اس کے بدلہ میں کچھ زیادہ ملے۔ اِسی کا ترجمہ میں نے پہلے یہ کر دیا تھا کہ سُود خوری نہ کر۔ لوگوں کو اس لئے پیسے نہ دیا کر کہ اس کے بدلے میں تجھے زیادہ ملے لیکن دوسری شکل ہمارے ملک میں ایک اور بھی ہوتی ہے جسے

ڈھو یا دینا کہتے ہیں اور اُردو میں ڈالی دینا کہتے ہیں۔ بعض باغبان گلدستے بنا لیتے ہیں کچھ پھُول لے لئے، کچھ تریں لے لیں، کچھ ترکاری لے لی اور کسی امیر آدمی کے گھر لے گئے کہ مَیں ڈالی لایا ہوں آگے اُس کی طرف سے جو بدلہ ملتا تھا وہ قیمت میں نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً یہ نہیں ہوتا تھا کہ دو آنے کی چیز ہوئی تو اس نے دو آنے ہی دے دیئے بلکہ کبھی دس کبھی بیس کبھی پچاس اور کبھی سَو روپے دے دیتا تھا۔

بنواُمیّہ کے ایک بادشاہ کا لطیفہ

عربوں میں اس کا بڑا رواج تھا خصوصاً بنوامیّہ کے خلفاء کے پاس بڑے بڑے تحفے آتے تھے۔ لطیفہ مشہور ہے کہ بنوامیّہ کا ایک بادشاہ ایک دفعہ شکار کے لئے گیا اور جنگل میں اکیلا رہ گیا اُسے ایک شخص ملا جو گدھا ہانک رہا تھا اور اُس پر اُس نے کھیرے رکھے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے کہا میاں! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا دمشق جا رہا ہوں۔ کہنے لگا کہ کس لئے؟ اس نے اِسی بادشاہ کا نام لیا کہ اس کے حضور میں پیش کرنے کے لئے یہ لے چلا ہوں۔ کہنے لگا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ وہ مجھے انعام دیگا۔ اس نے کہا ان چیزوں کا بھلا کیا انعام ہوسکتا ہے یہ تو بہت معمولی چیزیں ہیں اچھا تم کیا امید رکھتے ہو؟ اس نے کہا میں تو امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے تین سَو اشرفی انعام دیگا۔ اُس نے کہا تین سَو اشرفی! یہ تو ایک اشرفی کی بھی چیز نہیں تمہیں تین سَو اشرفی کون دیگا؟ کہنے لگا تین سَو نہ سہی اڑھائی سَو لے لونگا۔ اُس نے کہا اڑھائی سَو بھی بہت زیادہ ہے۔ کہنے لگا تو پھر دو سَو سہی۔ اس نے کہا دو سَو بھی بہت زیادہ ہے۔ کہنے لگا نہ مانے گا تو ڈیڑھ سَو سہی اس نے ڈیڑھ سَو کو زیادہ بتایا تو کہنے لگا سَو سہی۔ اُس نے کہا کون بے وقوف ہے جو تمہیں سَو اشرفی دے دیگا۔ وہ بیچارا مایوس ہوکر اِسی طرح قیمت گراتا چلا گیا اور آخر کہنے لگا کہ میں دس اشرفی تو ضرور لوں گا۔ اُس نے کہا یہ تو دس اشرفی کی بھی چیز نہیں۔ کہنے لگا اگر اس نے دس سے بھی کم دیں تو میں گدھا اُس کی ڈیوڑھی میں باندھ دونگا اور آپ چلا آؤنگا۔ اُس نے کہا اچھا! اِس گفتگو کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہوکر واپس آ گیا اور اُس نے سپاہیوں کو حکم دیدیا کہ اگر اس اس طرح کا کوئی آدمی آئے تو خیال رکھنا اور اسے میرے پاس بھیج دینا۔ اس نے پتہ نہ لگنے

دیا کہ مَیں بادشاہ ہوں۔ جب وہ آیا تو سپاہیوں نے اسے اندر بھجوادیا۔ وہاں بادشاہی جلال تھا اور تمام درباری ادب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی شکل پہچانی نہیں جاتی تھی کیونکہ جنگل میں وہ سادہ لباس میں گھوڑے پر اکیلا سوار تھا اُس جنگلی کو دیکھ کر بادشاہ کہنے لگا کس طرح آنا ہوا؟ اُس نے کہا حضور! آپ کے لئے ایک نیا تحفہ لایا ہوں کہنے لگا کیا چیز ہے؟ اس نے کہا تریں اور کھیرے ہیں۔ کہنے لگا کیا بے قیمت چیز ہے، اس نے کہا حضور نئی چیز ہے کسی نے اب تک کھائی نہیں اُس نے پوچھا اچھا تو پھر تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو؟ کہنے لگا تین سَو اشرفی۔ اُس نے کہا کیا تم مجھے پاگل سمجھتے ہو کہ اِن کھیروں اور تروں کے بدلہ میں تمہیں تین سَو اشرفی دیدوں گا۔ اُس نے کہا تین سَو نہیں تو اڑھائی سَو دے دیجئے۔ کہنے لگا اڑھائی سَو بھی کون دے سکتا ہے۔ اس نے کہا اڑھائی سَو نہیں تو دوسَو دے دیجئے۔ کہنے لگا دوسَو بھی زیادہ ہے۔ اس نے کہا تو پھر سَو اشرفی لائیے۔ وہ کہنے لگا سَو بھی بہت زیادہ ہے غرض اسی طرح وہ قیمت گھٹاتا چلا گیا جب دس پر پہنچا تو بادشاہ نے کہا دس اشرفی بھی بہت زیادہ ہے۔ اس پر وہ بے اختیار کہنے لگا وہ کم بخت منحوس جو مجھے راستہ میں ملا تھا جس طرح اُس نے کہا تھا ویسا ہی ہوا ہے اور یہ کہہ کر وہ لوٹا۔ بادشاہ ہنس پڑا اور اس نے اسے واپس بُلایا اور کہا گھبراؤ نہیں اور پھر اس نے حکم دیا کہ جتنی رقمیں ہوئی ہیں وہ سب جمع کر کے اسے دیدی جائیں یعنی ۳۰۰+۲۵۰+۲۰۰+۱۵۰+۱۰۰+۹۰ اس طرح کئی سَو روپے بن گئے جو اُسے دے کر اس نے رخصت کیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک

یہ ڈھوئے اور ڈالی کا طریق ہوا کرتا تھا چونکہ یہ سُود خوری سے کم ہے اس لئے وہ اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ اے محمد رَسُوْل اللہؐ! تُو ڈھوئے لے کر لوگوں کے پاس نہ جایا کر اے محمد رَسُوْل اللہ! تُو ڈالیاں لے لیکر ڈپٹی کمشنر کے پاس نہ جایا کر۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ خدا کا گورنر جنرل اور اُس کا جرنیل آیا ہے اس کو ڈھوئے اور ڈالیوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ خدا تو اس سے یہ کہتا ہے کہ ہم تجھے اپنے پاس سے رزق دینگے اور بے حساب دینگے خدا تو اسے یہ کہتا ہے کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ[۵۳]

اے محمد رسول اللہ! اگر تو دنیا میں نہ آیا ہوتا تو یہ سونے اور چاندیاں اور لوہے اور پیتل اور زمرّد اور ہیرے اور دریا اور پہاڑ غرض کچھ بھی نہ ہوتا یہ سب کچھ تیری خاطر پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ شخص جس کی جُوتیوں کی خاک ہیں یہ چیزیں بلکہ جس کی جُوتیوں کی خاک سے ادنیٰ ہیں اس کے متعلق مولوی یہ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ لینے کے لئے لوگوں کو ڈھوئے دیتا پھرتا تھا کہ میں دس روپے کی چیز دیتا ہوں وہ مجھے پندرہ دے دے۔ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ** یہ بھی اسی طرح ان کی غلطی ہے جس طرح کہ پہلی غلطیاں تھیں اور یہاں بھی وہی نادانی کام کر رہی ہے کہ ہر بُرے معنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور ہر اچھے معنے اپنے عیسیٰؑ کی طرف منسوب کئے جائیں۔

لُغت کے لحاظ سے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ کے صحیح معنے

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیت کے صحیح معنے کیا ہیں؟ اس غرض کے لئے ہم پھر لغت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مَنّ کبھی صلہ کے ساتھ آتا ہے اور کبھی بغیر صلہ کے۔ جب یہ صلہ کے ساتھ آئے تو اس کا صلہ علیٰ ہوتا ہے چنانچہ مَنَّ عَلَیْہِ کے معنے ہوتے ہیں اس پر احسان کیا یا اس پر احسان جتایا [۵۴] اور بغیر صلہ کے مَنّ آئے تو اس کے معنے ہوتے ہیں کسی کو روکنا یا کاٹنا [۵۵] اور اِسْتَکْثَرَ کے معنے ہوتے ہیں زیادہ لینا۔ [۵۶] اس میں روپیہ کی شرط نہیں جو چیز بھی ہم زیادہ لیں اس کے معنے اِسْتِکْثَار کے ہوجائیں گے۔

پہلے دو معنوں کے متعلق مَیں بتا چکا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں اور آپ کی شان کے بِالکل خلاف ہیں اور پھر سیاق وسباق کے ساتھ بھی ان کا کوئی جوڑ نہیں۔ ذکر ہو رہا ہے اِنذار کا اور کہا جا رہا ہے کپڑے دھو، ریٹھے لا، صابن خرید، حمام میں جا اور پھر سُود خوری نہ کر۔ ان گندے معنوں کے ساتھ بھی اس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا لیکن ہم جو معنے بتاتے ہیں وہ سارے کے سارے ان آیتوں پر چسپاں ہو جاتے ہیں۔

مشرکوں کو قتل کرنے یا ان کی آزادی پر پابندیاں عائد کرنے کی ممانعت

اب ہمارے نقطہ نگاہ سے اس کے یہ معنے بن جائیں گے کہ اے محمد رسول اللہ! ہم نے تجھے شرک کے مٹانے کا حکم دیا ہے پہلے حکم آچکا ہے کہ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ شرک کو مٹا دیے۔ پس ہم نے شرک کے مٹانے کا حکم دیا ہے لیکن اس سے ایک غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے ہم اس غلط فہمی کی تشریح کر دیتے ہیں کہ کہیں تم یا تمہارے مُریداس حکم کے یہ معنے نہ کرلو کہ مشرکوں کو مارو اور اُن کی آزادی پر پابندی عائد کرو اور اس طرح اسلام کو ترقی دو۔ کیونکہ مٹانے کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح وہ کہتے ہیں کہ جو مسلمان ہیں ان کو خوب مارو، ان پر خوب سختی کرو، انہیں خوب ذلیل کرو اِسی طرح جو لوگ تم سے اختلاف عقیدہ رکھتے ہیں تم بھی ان سے یہی سلوک کرنے لگ جاؤ۔ خدا تعالیٰ نے سمجھایا کہ مسلمانوں کے دماغ بھی کبھی خراب ہو سکتے ہیں اور ایسا ہو سکتا ہے کہ مسلمان بھی غیر مسلموں پر سختی کرنے لگ جائیں اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم نے یہ حکم دیا ہے کہ شرک کو مٹا دے تو ہمارا یہ مطلب نہیں کہ تم مشرکوں پر پابندیاں عائد کرو یا مشرکوں کو قتل کرو یہ اسلام میں منع ہے پس اِس جگہ مَنّ کے معنے روکنے اور کاٹنے کے ہیں فَلَا تَمْنُنْ پس مت کاٹ وہ شرک جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ اسے مٹا دے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو مشرکوں کو مارنے لگ جائے اور اس طرح تَسْتَكْثِرُ مسلمانوں کی جمعیت اور ان کی شوکت کو بڑھادے۔ پس اس جگہ آدمی بڑھانے کا ذکر ہے روپیہ بڑھانے کا ذکر نہیں یعنی مشرکوں کو مت کاٹ، مشرکوں پر قیود مت لگا اس طرح سے کہ مسلمانوں کی طاقت بڑھے اور مسلمان زیادہ ہو جائیں۔ ہم نے اسلام کی ترقی کا ذریعہ تبلیغ رکھی ہے، ہم نے اسلام کی ترقی کا ذریعہ روحانی تعلیمات رکھی ہیں، ہم نے اسلام کی ترقی کا ذریعہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق رکھے ہیں ان ذرائع سے اسلام کو بڑھاؤ، مشرکوں پر پابندیاں لگا کر یا ان کو مار کر یا ان پر قیدیں لگا لگا کر اسلام بڑھانے کا حکم نہیں دیا۔ اب دیکھو یہ معنے کتنے اعلیٰ اور اسلام کی خوبی ثابت کرنے والے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ صبر کی عظمت

پھر فرماتا ہے وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ یعنی اگر مشکلات آئیں تو ان پر صبر کیجیو مگر وَلِرَبِّکَ۔ صبر دو طرح کا ہوتا ہے ایک ہوتا ہے صبرِ مجبوری۔ بڑے آدمی کا بیٹا ہوتا ہے وہ کسی کو مارتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا کریں بول نہیں سکتے۔ ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے بڑا آدمی ظلم کر رہا ہو تو غریب آدمی کی ماں اُلٹا اپنے بچے کو مارتی ہے۔ یا اگر اُس نے کسی عورت کے خاوند کو مارا ہو تو وہ الگ بیٹھ کر روتے ہیں سامنے رو بھی نہیں سکتے۔ یہ بیچارگی کا صبر ہے مگر فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ! ہم تیرے جیسے بزرگ شان والے انسان سے یہ امید نہیں کرتے کہ تو بزدلی والا صبر کریگا بلکہ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ تُو وہاں صبر کر جہاں تجھے نظر آتا ہو کہ میرا یہاں صبر کرنا خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہوگا یہ نہیں کہ اس لئے صبر کرو کہ اگر مَیں نے صبر نہ کیا تو ظالم ظلم میں بڑھ جائے گا یا مَیں اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہوں وہ طاقتور ہے اور میں کمزور ہوں تُو صبر کریگا ہماری خوشنودی کے لئے اور ہمیں راضی کرنے کے لئے۔

دوسرے معنے صبر کے ایک کام پر لگ جانے کے ہیں [۵۷] پس اس کے معنے یہ ہونگے کہ آج سے دوسرے سب کام چھوڑ کر تُو صرف اپنے رب کی خدمت میں لگ جا۔

اب دیکھو یہ دربار کیسا شاندار ہے گورنر جنرل کے تقرر پر دربارِ خاص لگتا ہے، گورنر جنرل پیش ہوتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ہم خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ تقررِ عُہدہ کے وقت سے (جو سورۃ اقراء میں ہے) تم وردی پہن کر اور گھوڑا لے کر کھڑے ہو کہ حکم ملتے ہی تم کام کے لئے نکل کھڑے ہوگے اب ہم ہمیشہ کے لئے یہ عُہدہ تمہارے سُپرد کرتے ہیں، کوئی ماں کا بچہ ایسا نہیں جو تم کو اِس عُہدہ سے الگ کر سکے ہمیشہ ہمیش کے لئے یہ عُہدہ تمہارے سُپرد کیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانا تمہارا فرض ہوگا کمزور کو بیدار کرنا تمہارے ذمہ ہوگا اور اپنے رب کی سچّی شان کو قائم کرنا تمہارا کام ہوگا اور سب سے پہلے یہ کام اپنے اہل و عیال اور اپنے دوستوں اور اپنی قوم کے لوگوں سے شروع کر۔ پھر دائرہ وسیع کرتا چلا جا اور لباس اور جسم اور دماغ اور دل اور مکان اور ملک

کی صفائی کو قائم کر اور ہر قسم کے گند کو مٹا دے اور آئندہ کے لئے تعذیبِ نفس اور تعذیبِ انسان اور تعذیبِ اَفکار کو دنیا سے ختم کر دے کہ خدا تعالیٰ کو اپنا قُرب دینے کے لئے ان طریقوں کی ضرورت نہیں اور شرک کا قلع قمع کر دے اور ایسے سامان کر کہ مشرک شرک کو دنیا میں پھیلا نہ سکیں، موحّدین دنیا میں غالب ہو جائیں مگر یہ غلبہ مشرکوں پر پابندیاں لگا کر یا انہیں قتل کر کے حاصل نہ کیا جائے بلکہ تبلیغ اور قربانی اور ایثار سے ایسا کیا جائے اور آفات و مصائب میں برداشت کے ذریعہ سے یہ بات حاصل کی جائے مگر بُزدلانہ صبر نہیں بلکہ دلیرانہ صبر کہ جس میں باوجود طاقت کے برداشت اور عفو سے کام لیا جائے اور صرف خدا کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کیا جائے اور اپنے اعلان کے آخر میں ہم پھر کہتے ہیں کہ یہ کام تیرے سپرد چند دن کے لئے نہیں کیا جاتا، چند سال کے لئے نہیں کیا جاتا اب تُو ہی ہمارا ہو کر رہے گا اور ہمیشہ کیلئے اس عُہدہ پر قائم رکھا جائے گا۔

دیوانِ خاص کی تیسری غرض

(۳) دیوانِ خاص کی تیسری غرض یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنے درباریوں کے کام میں سہولت پیدا کرنے کے لئے مختلف قسم کی تدابیر اختیار کرتا اور اُن کی مشکلات کے بارہ میں علاج تجویز کرتا ہے اور پھر انہیں مدد دینے کے وعدے کرتا ہے جس سے ان کے اندر کام کرنے کی ایک نئی روح پیدا ہو جاتی ہے۔

دُنیوی بادشاہوں کا طریقِ کار

میں نے دیکھا کہ دُنیوی بادشاہ ایسا کرتے ہیں مگر اوّل تو وہ ہمیشہ ہی صحیح علاج بتانے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ دوسرے کئی دفعہ بادشاہ علاج بتانے کی جگہ خود اپنے درباریوں سے علاج پوچھتے ہیں اور اُن کی مشکلات میں مدد دینا تو الگ رہا خود اپنی مشکلات میں اُن سے مدد لینے کے محتاج ہوتے ہیں اور پھر جو وعدے کرتے ہیں ان کو بھی بسا اوقات وہ پورا نہیں کرتے۔

قرآنی دیوانِ خاص کا نرالا طریق

مگر اس ''دیوانِ خاص'' میں مَیں نے اس بارہ میں بھی نرالا طریق دیکھا۔ مَیں نے

دیکھا کہ بادشاہ خود ہی سب علاج بتاتا ہے اور خود ہی سب کچھ مہیّا کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور پھر ہر وعدہ کو وہ پورا بھی کرتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے قرآنی دربارِ خاص کا مطالعہ کیا تو مجھے عجیب حُسن نظر آیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظتِ خاص کا وعدہ

مَیں نے دیکھا کہ بادشاہ جب وزراء اور افسر مقرر کرتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ اور اس کے خاندان کی حفاظت کرینگے مگر میں نے اس دربارِ خاص کا یہ طریق دیکھا کہ جب اس دربار میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا تو ساتھ ہی کہہ دیا گیا کہ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾ [58] یعنی اے ہمارے رسول! ہم نے تیری طرف جو کچھ نازل کیا ہے تُو اسے لوگوں تک پہنچا دے اور اگر تُو ایسا نہیں کریگا تو تیری رسالت کا کام ناتمام رہے گا بیشک اس کام میں تجھے مشکلات پیش آئیں گی، اپنے اور بیگانے تیری مخالفت میں کھڑے ہو جائینگے اور وہ کوشش کرینگے کہ تجھے کچل کر رکھ دیں اور تیرے نام کو صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیں مگر خدا اُن کو ناکام کریگا اور وہ تجھے لوگوں کے تمام حملوں سے محفوظ رکھے گا۔ یہ کیسا ’’دیوانِ خاص‘‘ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات الگ بھی کی جاتی ہے اور پھر دیوانِ عام میں سُنانے کا حکم دیا جاتا ہے اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس اعلان کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچے تو ہم ذمہ دار ہیں۔

دشمنوں کی عبرت ناک ناکامی کا مرقّع

دنیا نے اس اعلان کو سُنا تو وہ حقارت کے ساتھ ہنسی اور اُس نے سمجھا کہ وہ اپنی کوششوں سے اس گورنر جنرل کے غلبہ اور اقتدار کو روک سکے گی اور اسے تباہ و برباد کر دیگی مگر واقعات بتاتے ہیں کہ دشمنوں کی ہر تدبیر ناکام ہوئی اور خدا تعالیٰ کی حفاظت ہمیشہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاملِ حال رہی۔

حضرت عمرؓ کا ارادۂ قتل

چنانچہ دیکھ لو جب مکہ میں اسلام نے ترقی کرنی شروع کی اور کفار کی تمام تدابیر کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں زیادتی ہوتی چلی گئی تو حضرت عمرؓ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے انہوں نے جوش میں آکر ایک دن تلوار ہاتھ میں لی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے کہہ گئے کہ اچھا مَیں خود ہی اِس روز روز کے جھگڑے کو ختم کئے دیتا ہوں۔ ابھی وہ گھر سے تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ انہیں راستہ میں اپنا ایک دوست ملا اُس نے پوچھا عمر! اتنے جوش میں تلوار ننگی لٹکائے کہاں جارہے ہو؟ عمر نے کہا آج مَیں نے ارادہ کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر لے کر ہی واپس لَوٹوں گا تاکہ یہ روز روز کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اُس دوست نے کہا عمر! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارنے جارہے ہو پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ عمر نے کہا میرے گھر میں کیا ہؤا ہے؟ دوست نے کہا تمہاری بہن اور تمہارا بہنوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے بڑے غصّہ میں اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا جب گھر کے قریب پہنچے تو انہیں قرآن کریم کی تلاوت کی آواز سُنائی دی۔ قرآن کریم پڑھنے کی آواز سُن کر انہیں اَور بھی جوش آیا اور جھٹ دروازہ کے اندر داخل ہو گئے۔ ان کی آہٹ پا کر حضرت خبابؓ جو ایک حبشی غلام تھے اور وہی اس وقت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن پڑھا رہے تھے کہیں چُھپ گئے اور اُن کی بہن نے قرآن کریم کے اَوراق اِدھر اُدھر چُھپا دیئے۔

بہنوئی پر حملہ

حضرت عمرؓ نے اندر آتے ہی نہایت جوش اور غصّہ کے ساتھ کہا مَیں نے سُنا ہے تم دونوں اپنے دین سے پھر گئے ہو اور تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی ہے!! یہ کہتے ہی وہ اپنے بہنوئی پر جھپٹ پڑے اور انہیں مارنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر اُن کی بہن اپنے خاوند کو بچانے کے لئے آگے بڑھی مگر حضرت عمرؓ کا ہاتھ جو اُٹھ چکا تھا اُسے روکنا مشکل تھا چنانچہ ایک مُکّہ ان کی بہن کو بھی جا لگا اور اُن کے جسم میں سے خون بہنے لگا۔

بہن کو زخمی دیکھ کر حضرت عمرؓ کی ندامت و شرمندگی

یوں تو عرب لوگ اپنی بیویوں کو مارنا کوئی عیب نہ سمجھتے تھے مگر کسی دوسری عورت پر ہاتھ اُٹھانا وہ اپنی مردانگی کے خلاف خیال کرتے تھے حضرت عمرؓ کا اپنی بہن کو زخمی کرنا بِالا رادہ نہ تھا چونکہ وہ اپنا ہاتھ اُٹھا چکے تھے اس لئے اب اُس کا رُکنا مشکل ہو گیا تھا جب انہوں نے اپنی بہن کو زخمی اور خون میں تر بتر دیکھا تو اُن کے دل میں ندامت اور شرمندگی پیدا ہوئی اور انہیں گھبراہٹ کے عالَم میں اور کچھ نہ سُوجھا اپنی بہن سے کہنے لگے اچھا ان باتوں کو جانے دو یہ بتاؤ کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ یہ سُن کر بہن کو بھی سخت غصّہ آیا، کہنے لگی میں تمہیں ہرگز وہ اوراق نہیں دکھاؤنگی کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ تم اُن کو ضائع کر دو گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا نہیں کرونگا بلکہ دیکھ کر تمہیں واپس دیدونگا۔ بہن نے کہا تم جب تک غسل نہ کرلو تم ان اَوراق کو ہاتھ نہیں لگا سکتے چنانچہ حضرت عمرؓ غسل کرنے کے لئے چلے گئے جب غسل سے فارغ ہوئے تو بہن نے قرآن کریم کے وہ اَوراق نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔

حضرت عمرؓ پر قرآن کریم کا معجزانہ اثر

حضرت عمرؓ کے دل میں بہن کے زخمی کرنے سے اتنی ندامت پیدا ہو چکی تھی کہ ضد اور تعصّب اور عداوت کا وہ پردہ جس کی وجہ سے وہ قرآن کریم کو سُننا تک گوارا نہ کر سکتے تھے اب ہٹ چکا تھا۔ جب بہن نے قرآن کریم کے اَوراق ان کے سامنے رکھے تو انہوں نے انہیں پڑھنا شروع کیا وہ آیات سورہ طٰہٰ کی تھیں جُوں جُوں وہ ان آیات کو پڑھتے جاتے ایک ایک لفظ ان کے سینے میں نقش ہوتا چلا جاتا۔ پڑھتے پڑھتے حضرت عمرؓ کی حالت بِالکل بدل گئی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور قرآن کریم کی آیات نے اُن کی فطری سعادت کو بیدار کر دیا قرآن کریم کا ایک ایک لفظ ان کے سینے کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو گیا۔ اب عمرؓ وہ عمر نہیں رہا تھا جو مسلمانوں کو ان کے اسلام کی وجہ سے دُکھ دیا کرتا تھا، اب عمرؓ وہ عمر نہیں رہا تھا جو اپنی لونڈی کو اسلام لانے کی وجہ سے

ہمیشہ زدوکوب کیا کرتا تھا، اب عمرؓ وہ عمر نہیں رہا تھا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ عہد کر کے نکلا تھا کہ آج مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے ہی واپس لَوٹوں گا، اب عمرؓ اپنی اس اصل حالت پر آ چکا تھا جو اُس کے لئے ازل سے مقدر تھی، اب عمرؓ اس رنگ میں رنگین ہو چکا تھا جس میں خدا تعالیٰ اُسے رنگنا چاہتا تھا، اب عمرؓ کی سنگدلی کی جگہ ایمانِ کامل نے لے لی تھی حضرت عمرؓ نے جب یہ آیت پڑھی۔ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۵﴾ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْہَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۶﴾ [۵۹] تو وہ بے اختیار ہو کر بولے یہ کیسا عجیب اور پاک کلام ہے۔ یہ سُنکر حضرت خبابؓ جو ان سے ڈر کر چُھپے بیٹھے تھے باہر نکل آئے۔

حضرت عمرؓ کی دارِارقم کو روانگی

حضرت عمرؓ نے جنہیں اب ایمان نے بیقرار کر دیا تھا بیتابی کے ساتھ خبابؓ سے پوچھا مجھے جلد بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ خبابؓ نے بتا دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں جگہ ہیں مگر چونکہ حضرت عمرؓ نے ابھی تک اپنی تلوار اسی طرح کھینچ رکھی تھی جس سے یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کے ارادے نیک نہیں اس لئے ان کی بہن اس خیال سے کہ خدانخواستہ ان کی نیت خراب ہی نہ ہو آگے بڑھی اور ان کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگی خدا کی قسم! میں تمہیں ہرگز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں جانے دوں گی جب تک تم مجھ سے اقرار نہ کرو کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دُکھ نہیں پہنچاؤ گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا نہیں نہیں بہن! ایسا نہیں ہوسکتا مجھ پر اسلام کا گہرا اثر ہو چکا ہے۔ یہ سنکر بہن نے انہیں چھوڑ دیا اور حضرت عمرؓ دارِارقم کی طرف روانہ ہو گئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن دنوں مقیم تھے۔

حضرت عمرؓ کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہونا

حضرت عمرؓ نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت صحابہؓ کو قرآن کریم کی تعلیم دے رہے تھے۔ صحابہؓ نے جب دروازے کی دراڑ میں سے دیکھا کہ عمر ننگی تلوار لئے دروازے

میں کھڑے ہیں تو انہوں نے سمجھا آج عمر کے ارادے نیک نہیں ہیں اس لئے انہوں نے دروازہ کھولنے میں تأمّل کیا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ حضرت حمزہؓ جو ابھی نئے ایمان لائے تھے جوش کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے دروازہ کھول دو اگر تو عمر کسی نیک ارادہ کے ساتھ آیا ہے تو بہتر ورنہ کیا عمرؓ کو تلوار چلانی آتی ہے ہمیں تلوار چلانی نہیں آتی۔ صحابہؓ نے دروازہ کھولا اور حضرت عمرؓ اُسی طرح ننگی تلوار لئے اندر داخل ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا عمر! تم کس ارادے سے آئے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں تو آپ کے خادموں میں داخل ہونے کے لئے حاضر ہؤا ہوں۔

نعرہ ہائے تکبیر

یہ سُنکر آپؐ نے خوشی کے جوش میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور ساتھ ہی صحابہؓ نے بڑے زور کے ساتھ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگایا یہاں تک کہ مکّہ کی پہاڑیاں بھی گونج اُٹھیں۔[۶۰]

خدائی حفاظت کا غیر معمولی نشان

اب دیکھو عمرؓ تو اس ارادہ کے ساتھ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ آج میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار کر ہی واپس لوٹوں گا اُس وقت جبکہ عمرؓ اپنی تلوار سونت کر گھر سے نکلے ہونگے مکہ والے کتنے خوش ہونگے کہ آج عمرؓ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کئے بغیر واپس نہ آئیگا، مکہ کے لوگ بیتابی کے ساتھ انتظار کر رہے ہونگے کہ کب انہیں خوشخبری ملتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے، وہ لوگ ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر حضرت عمرؓ کی راہ تک رہے ہونگے کہ کب وہ پہنچ کر اپنی کامیابی کی اطلاع دیتے ہیں، وہ لوگ خوش ہونگے کہ آج عمرؓ اِس جھگڑے کو ختم کر کے ہی واپس آئے گا۔ عمرؓ اپنی جگہ خوش تھے اور گھر سے تلوار سَونت کر نکلتے وقت کہہ رہے ہونگے کہ میرے جیسا بہادر بھلا فیصلہ کئے بغیر لَوٹ سکتا ہے؟ غرض حضرت عمرؓ اپنی جگہ خوش تھے اور مکّہ والے اپنی جگہ پر خوش تھے اِس بات پر کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ضرور قتل ہو جائینگے مگر خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہؤا اُن کی نادانی پر ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم نے تجھ سے یہ

نہیں کہا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ [٦١] خدا تعالیٰ تجھے خود لوگوں کے حملہ سے بچائے گا چنانچہ اُس نے حضرت عمرؓ کو اِس طرح پکڑا کہ کوئی انسان اس طرح پکڑ نہیں سکتا۔ انسان کی گرفت زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتی تھی کہ کوئی مسلمان حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں کھڑا ہو جاتا اور اُن کو مار دیتا، انسان کی گرفت زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتی تھی کہ حضرت عمرؓ کی بہن یا ان کا بہنوئی اور ان کا حبشی غلام انہیں راستہ میں پکڑ لیتے اور انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ جانے دیتے، انسان کی گرفت یہ ہوسکتی تھی کہ حضرت حمزہؓ یا کوئی اور صحابی حضرت عمرؓ کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے اور انہیں قتل کر دیتے مگر خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو اِس طرح پکڑا کہ وہی عمر جو آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلا تھا آپ کے پاس پہنچ کر خود قتل ہو گیا۔ جسم کی موت بھلا کیا حقیقت رکھتی ہے اصل موت تو وہ ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی کی غلامی میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ گئے تو اِس نیت کے ساتھ تھے کہ وہ آپؐ کو مار دینگے لیکن اِسی عمرؓ کو خدا نے ایسا مارا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تلوار لے کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ محمد رسول اللہؐ فوت ہو گئے ہیں تو مَیں اُس کی گردن کاٹ دونگا۔[٦٢]

واقعہ ءہجرت

پھر واقعہ ءہجرت پر غور کرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی معجزانہ رنگ میں حفاظت فرمائی۔ مکّہ کے صنادید آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کرتے ہیں کہ مختلف قبائل کے مسلّح نوجوان رات کو آپؐ کے مکان کے اِرد گرد گھیرا ڈال لیں اور جب آپ باہر تشریف لائیں تو سب مل کر آپؐ کو قتل کریں تاکہ یہ خون قریش کے متفرق قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنو ہاشم انتقام لینے کی جرأت نہ کرسکیں۔ اِدھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا اور اُدھر اُسی خدا نے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہوا تھا محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو کفار کے اس بدارادہ کی اطلاع دے دی اور آپؐ کو مکہ سے ہجرت کا حکم دے دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے گھر سے ایسی حالت میں نکلتے ہیں جب قریش کے مسلّح نوجوان آپ کے قتل کے ارادہ سے آپ کے مکان کے اِرد گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں مگر آپ کے دل

میں کوئی گھبراہٹ پیدا نہیں، آپ کے بدن میں کوئی ارتعاش پیدا نہیں ہوتا، آپ کے جسم پر کپکپی طاری نہیں ہوتی، آپ کے حواس پراگندہ نہیں ہوتے، آپ بڑے اطمینان کے ساتھ اُن سفّاک اور خونخوار بھیڑیوں کے درمیان سے خراماں خراماں نکل جاتے ہیں اور کوئی آنکھ آپ کو بد اِرادہ سے نہیں دیکھ سکتی، کوئی ہاتھ آپؐ پر وار کرنے کے لئے نہیں اُٹھ سکتا، کوئی تلوار اپنی میان سے باہر نہیں آسکتی، زمین و آسمان کے خدا نے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا، اُن کے ہاتھوں کو شل کر دیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحفاظت وہاں سے نکال لیا کیونکہ خدا نے یہ فرمایا تھا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

غارِ ثور تک پہنچ کر بھی دشمن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری میں کامیاب نہ ہو سکا

جب دشمن نے دیکھا کہ اس کا یہ تیر بھی خالی چلا گیا تو اپنی ندامت اور شرمندگی مٹانے کے لئے اُس نے مکّہ کے ہوشیار اور فنکار کھوجیوں کی مدد سے آپؐ کے پاؤں کے نشانات دیکھتے ہوئے غارِ ثور تک آپ کا تعاقب کیا اور دشمن اِس قدر قریب پہنچ گیا کہ حضرت ابوبکرؓ جو اس ہجرت میں آپ کے ساتھ شامل تھے گھبرا اُٹھے اور انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! دشمن اِس قدر قریب پہنچ چکا ہے کہ اگر وہ ذرا آگے بڑھ کر غار کے اندر جھانکے تو ہمیں پکڑنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اطمینان سے فرماتے ہیں کہ اے ابوبکر! گھبراتے کیوں ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔[۶۳] یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ہمیں پکڑنے میں کامیاب ہو سکیں۔ چنانچہ مکہ کے صنادید جس طرح رات کی تاریکی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنے میں ناکام و نامراد رہے ہیں اِسی طرح وہ دن کی روشنی میں بھی آپ کی گرفتاری میں کامیاب نہ ہو سکے اور خدا نے بتا دیا کہ میں رات اور دن اس انسان کے ساتھ ہوں۔ ممکن ہے اُن مکّہ کے نوجوانوں میں بعض یہ خیال کرتے ہوں کہ چونکہ رات تھی اِس لئے محمد رسول اللہ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، خدا اُن کو دن کے وقت غارِ ثور کے منہ پر لایا اور پھر اُن کی آنکھوں میں نابینائی پیدا کر کے بتا دیا کہ اس کا اصل باعث یہ نہیں کہ محمد رسول اللہ رات کی تاریکی میں

نکل آئے تھے بلکہ اس کا اصل باعث یہ ہے کہ مَیں اس کا محافظ ہوں ورنہ دن کی روشنی میں اپنے کھوجیوں کی نشان دہی کے باوجود تم اسے پکڑنے میں کیوں کامیاب نہ ہو سکے۔

سُراقہ کا تعاقب

پھر جب آپ مدینہ جا رہے تھے ایک دشمن آپ کے سر پر پہنچ گیا مگر الٰہی تصرف کے ماتحت اُس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ وہ پھر آگے بڑھا تو دوبارہ اُس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اِس پر وہ گھبرا اُٹھا اور اُس نے سمجھا کہ یہ بِلا وجہ نہیں ہو سکتا چنانچہ یا تو وہ آپ کی گرفتاری کے ارادہ سے باہر نکلا تھا یا عجز اور انکسار کے ساتھ وہ آپ سے معافی کا طالب ہؤا اور اُس نے کہا کہ آپ خدا تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ ایک دن ضرور غالب آ کر رہیں گے۔[۶۴]

اِس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح قدم قدم پر خدا تعالیٰ نے آپ کی معجزانہ رنگ میں حفاظت فرمائی اور دشمن کو اپنے ناپاک عزائم میں ناکام رکھا۔

الٰہی تصرّف کے ماتحت دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر جانا

اِسی طرح غزوہ غطفان سے واپسی کے موقع پر جبکہ آپ ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے ایک دشمن آپؐ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آپ کے پاس جا پہنچا اور اُس نے آپ کی ہی تلوار سونت کر آپ کو جگایا اور پوچھا کہ اب آپ کو کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے لیٹے لیٹے نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اَللّٰہُ۔ اِن الفاظ کا اُس پر ایسا ہیبت ناک اثر ہؤا کہ اُس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً وہ تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑی اور اُس سے پوچھا کہ بتا اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اُس نے کہا آپ ہی رحم کریں تو کریں ورنہ میری نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔[۶۵]

جنگِ اُحد میں خدائی تصرّف

پھر جنگ اُحد میں ایک وقت ایسا آیا جب بعض صحابہؓ کی غلطی کی وجہ سے اسلامی لشکر تِتّر بِتّر ہو گیا اور آپؐ کے اِرد گِرد صرف چند صحابہؓ رہ گئے اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ آپ اکیلے

نرغہ اعداء میں گِھر گئے۔ ایسے خطرناک موقع پر اگر خدا کی حفاظت آپ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو دشمن کے لئے آپؐ کو جانی نقصان پہنچانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہزاروں مسلّح سپاہیوں کے سامنے کسی ایک شخص کی کیا حیثیت ہوتی ہے مگر ان نازک گھڑیوں میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے سامنے میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی وہاں سے ہٹ جانے یا خود حفاظتی کے لئے کسی پتھر کے پیچھے چُھپ جانے کا خیال بھی آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔ دشمن آگے بڑھا اور اُس نے آپ پر شدید حملہ کر دیا یہاں تک کہ آپؐ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہو گئے اور آپ بیہوش ہو کر گڑھے میں گِر گئے۔ دشمن نے سمجھا کہ وہ آپ کو مارنے میں کامیاب ہو گیا ہے مگر جب جنگ کے بادل چھٹے انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ میں سورج کی طرح دمکتے دیکھا اور یہ خبر اُن پر بجلی بن کر گِری کہ آج بھی وہ ہزاروں کا لشکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا[۶۶] اور کیوں ایسا نہ ہوتا جبکہ اِس گورنر جنرل کے متعلق دربارِ خاص میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ**؂ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا تجھے لوگوں کے حملوں سے بچائے گا۔

جنگِ حنین میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن کی طرف بڑھتے چلے جانا

اِسی طرح حنین کی جنگ میں جب صرف بارہ (۱۲) آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد رہ گئے تھے اور دشمن کے چار ہزار تیر انداز تیروں کی بارش برسا رہے تھے بعض صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہا اور کہا کہ **يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ**! اِس وقت آگے بڑھنا ہلاکت کے منہ میں جانا ہے مگر آپ نے بڑے جوش سے فرمایا میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو مَیں پیچھے نہیں ہٹ سکتا اور خود دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے آپ نے بڑھنا شروع کر دیا کہ :-

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ

اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ[۶۷]

مَیں خدا تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اُس کی طرف جھوٹی بات منسوب نہیں کر رہا لیکن میری اس وقت کی کیفیت کو دیکھ کر تم یہ خیال نہ کر لینا کہ میرے اندر کوئی خدائی طاقت پائی جاتی ہے میں ایک انسان ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ غرض اُن نازک گھڑیوں میں بھی جب اسلام کے جانباز سپاہی جو سارے عرب کو شکست دے چکے تھے بارہ[12] ہزار کی تعداد میں ہوتے ہوئے ایک غیر متوقع حملہ کی تاب نہ لا کر اپنے پائے ثبات میں جُنبش محسوس کر رہے تھے اور اُن کی سواریاں میدانِ جنگ سے بھاگ رہی تھیں، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرد گرد صرف چند آدمی رہ گئے تھے، جب ہر طرف سے دشمن بارش کی طرح تیر برسا رہے تھے آپ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے کیونکہ آپؐ کو یقین تھا میرا خدا میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے خود دشمن کے حملہ سے بچائے گا۔

ایک حیرت انگیز واقعہ

پھر اِسی جنگ کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ مکّہ کا ایک شخص جس کا نام شیبہ تھا اِس جنگ میں صرف اِس نیت اور ارادہ کے ساتھ شامل ہوا کہ موقع ملنے پر مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دونگا۔ جب لڑائی تیز ہوئی تو وہ خود کہتا ہے کہ میں نے تلوار سونت لی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے مَیں نے آپؐ کے قریب ہونا شروع کیا۔ اُس وقت مجھے یوں معلوم ہوا کہ میرے اور آپؐ کے درمیان آگ کا ایک شُعلہ اُٹھ رہا ہے جو قریب ہے کہ مجھے جلا کر بھسم کر دے مگر پھر بھی میں آگے بڑھتا چلا گیا اُس وقت اچانک مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی دی کہ شیبہ! میرے پاس آؤ جب میں آپ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا اے خدا! شیبہ کو شیطانی خیالات سے نجات دے۔ شیبہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ یکدم میری تمام دشمنی دُور ہو گئی اور میرا دل آپ کی محبت اور پیار کے جذبات سے اِس قدر لبریز ہو گیا کہ اُس وقت میرے دل میں سوائے اِس کے اور کوئی خواہش نہ رہی کہ مَیں اپنی جان آپ کے لئے قربان کر دوں۔ [68]

شاہِ ایران کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حُکم دینا

پھر کسریٰ شاہِ ایران جو آدھی دنیا کا مالک تھا اُس نے یہود کے اشتعال دلانے پر اپنے گورنرِ یمن کو لکھا کہ عرب کے اس مدعیٔ نبوت کو گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دیا جائے یہ شخص اپنے دعووں میں بہت بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ گورنر یمن نے اس حکم کے ملتے ہی ایک فوجی افسر کو اِس ڈیوٹی پر مقرر کیا اور وہ ایک سپاہی کو اپنے ساتھ لیکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے مدینہ منورہ میں پہنچا اور اُس نے آپ سے کہا کہ کسریٰ نے گورنرِ یمن کو حکم بھجوایا ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے اُس کی خدمت میں حاضر کیا جائے اور ہم اس غرض کے لئے یہاں آئے ہیں آپ ہمارے ساتھ چلیں ورنہ کسریٰ کو زیادہ غصّہ آیا تو وہ آپ کو بھی ہلاک کر دیگا اور آپ کی قوم اور ملک کو بھی برباد کر دے گا۔

شاہِ ایران کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آج رات ٹھہرو کل میں تمہیں اس کا جواب دونگا۔ رات کو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو بتایا گیا کہ کسریٰ کی اِس گستاخی کی سزا میں آج رات ہم نے اس کے بیٹے کو اس پر مسلّط کر دیا ہے اور اُس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ جب صبح ہوئی اور گورنرِ یمن کے ایلچی دوبارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا جاؤ اور اپنے گورنر سے جا کر کہہ دو کہ آج رات میرے خدا نے تمہارے خداوند کو مار دیا ہے۔

گورنرِ یمن کا استعجاب

جب گورنرِ یمن کو یہ اطلاع پہنچی تو اس نے کہا اگر یہ شخص واقعہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ایسا ہی ہؤا ہوگا لیکن اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو پھر کسریٰ اسے بھی تباہ کر دیگا اور اس کے ملک کو بھی برباد کر دے گا بہر حال اُس نے حیرت اور استعجاب کے ساتھ اس خبر کو سُنا اور اُس نے ایران سے آنے والی اطلاعات کا انتظار کرنا شروع کیا۔

گورنرِ یمن کا اقرار کہ مدینہ کے نبی نے سچ کہا تھا

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ یمن کی بندرگاہ پر ایران کا ایک جہاز لنگر انداز ہوا اور اس میں ایک شاہی ایلچی نے گورنرِ یمن کو بادشاہ کا ایک خط دیا۔ اُس پر چونکہ ایک نئے بادشاہ کی مُہر تھی اس لئے خط کو دیکھتے ہی گورنر یمن کہہ اُٹھا کہ مدینہ کے نبی نے سچ کہا تھا۔ پھر اُس نے خط کھولا تو اُس میں کسریٰ کے بیٹے (شیرویہ) نے لکھا ہوا تھا کہ مَیں نے اپنے باپ کو اس کے مظالم کی وجہ سے قتل کر دیا ہے اور اب مَیں اُس کی جگہ تختِ حکومت پر متمکن ہوں تم تمام افسروں سے میری اطاعت کا اقرار لو اور یہ بھی یاد رکھو کہ میرے باپ نے عرب کے ایک نبی کی گرفتاری کا جو حکم بھیجا تھا اُس کو مَیں منسوخ کرتا ہوں کیونکہ وہ نہایت ظالمانہ حکم تھا۔ گورنر یمن اس خط کو پڑھ کر اِس قدر متأثر ہوا کہ وہ اور اُس کے کئی ساتھی اُسی وقت اسلام میں داخل ہو گئے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام میں داخل ہونے کی اطلاع بھجوا دی۔[۶۹]

اِس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی معجزانہ تائید اور اُس کی نصرت آپؐ کے شاملِ حال رہی۔ دشمن نے آپ کو قتل کرنے کے لئے کئی منصوبے کئے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر دفعہ اس کو اپنے منصوبوں میں ناکام رکھا۔

یہود کی متواتر ناکامی

مدینہ منورہ میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہود تھے جو مخالفت کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ایک دفعہ انہی کے ایک قبیلہ بنونضیر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض امور پر گفتگو کرنے کے لئے بُلوایا۔ لیکن در پردہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے چھت پر چڑھ کر ایک بڑا وزنی پتھر آپ پر گرا دے جس سے آپ ہلاک ہو جائیں اور بعد میں یہ مشہور کر دیا جائے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہو گیا ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اِس کی خبر دیدی اور آپ وہاں سے اُٹھ کر واپس آ گئے۔[۷۰]

اِسی طرح غزوۂ خیبر میں ایک یہودی عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لُقمہ ہی اُٹھایا تھا

کہ آپ کو اس کا علم ہو گیا کہ کھانے میں زہر ملایا گیا ہے اور آپ اسے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔[اے]

غرض اس دربار میں خدائی گورنر جنرل کے متعلق جو کچھ کہا گیا تھا تاریخی واقعات اِس بات پر گواہ ہیں کہ وہ وعدہ بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا۔

اچھے ہتھیاروں اور اچھے معاونوں کی ضرورت

پھر ایک افسر تبھی کامیاب ہوتا ہے جب اسے اچھے ہتھیار اور اچھے معاون ملیں۔ دُنیوی بادشاہ افسر مقرر کر کے یہ چاہتے ہیں کہ اب وہ اچھے ہتھیار اور اچھے معاون خود تلاش کریں مگر اس دربار میں مَیں نے یہ عجیب بات معلوم کی کہ گورنر جنرل کے مقرر ہوتے ہی یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اسے بہترین ہتھیار اور بہترین معاون ہم خود دینگے اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی چنانچہ اس خدائی گورنر جنرل کے متعلق یہ اعلان کیا گیا کہ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۳﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۴﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿۱۵﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۶﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۷﴾ [۲ے]

قرآنی اسلحہ

اے لوگو سنو! ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا روحانی حاکم مقرر فرما دیا ہے اور اسے ایک ایسے ہتھیار کے ساتھ مسلّح کیا ہے جس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جسموں کو نہیں بلکہ دلوں اور دماغوں کو فتح کرتا ہے۔ پھر یہ ہتھیار ایسا نہیں جس کی چوٹ کھا کر لوگ زخموں سے تڑپنے اور تلملانے لگ جائیں بلکہ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ لوگ اس ہتھیار کی چوٹ کھانے اور اس کا شکار ہونے میں ایک لذت اور سرور محسوس کرتے ہیں۔ یہ روحانی ہتھیار صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ میں ہے یعنی پہلی الہامی کتب کی تمام اعلیٰ درجہ کی اخلاقی اور روحانی تعلیموں کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ اسے اپنے سروں پر اُٹھائے پھریں گے اور کوئی نقص اس میں نہیں پائیں گے۔

حاملینِ قرآن کی عظمت

یہ ہتھیار بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ہو گا یعنی ایسے سپاہیوں کے ہاتھوں میں دیا جائیگا جو مسافر بھی ہونگے اور لکھنے والے بھی ہونگے یعنی ایک طرف وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کے دلوں کو فتح کرنے کے لئے

دُور دُور کا سفر کرینگے جیسے صحابہؓ قرآن کریم کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہندوستان، ایران، عراق، مصر، بربر اور روم وغیرہ تک چلے گئے اور دوسری طرف آئندہ زمانہ کے لوگوں کے دل فتح کرنے کے لئے وہ اِس کتاب کو لکھ لکھ کر پھیلا دینگے تا کہ ہر زمانہ کے لوگ اِس سے فائدہ اُٹھائیں۔ وہ دنیا کو اِس ہتھیار سے فتح کرنے کی وجہ سے کِرَامٍ ہو جائیں گے لیکن معزز ہونے کی وجہ سے وہ مغرور نہ ہونگے بلکہ بَرَرَةٍ ہوں گے یعنی دوسروں پر احسان کرنے والے اور اُن کے غمخوار اور اپنی ترقی کو ذاتی بڑائی کا موجب نہیں بنائیں گے بلکہ اُسے محتاجوں کی تکلیفیں اور غرباء کی مشکلات دُور کرنے کا موجب بنائیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی غرباء پروری

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی زندگی کے حالات پر نگاہ ڈالی جائے تو ہر شخص کو یہ اقرار کرنے پر مجبور ہونا پڑیگا کہ ان میں یہ خوبی نہایت نمایاں طور پر پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو بڑی شان عطا فرمائی مگر ہر قسم کی طاقت اور شوکت رکھنے کے باوجود انہوں نے غرباء اور مساکین کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھا اور اُنکی تکالیف کو دُور کرنے کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

حلف الفضول میں شمولیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے کہ مکّہ کے بعض شرفاء نے ایک سوسائٹی بنائی جس کا کام یہ تھا کہ جو لوگ مظلوم ہوں اُن کی امداد کی جائے اِس سوسائٹی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوئے اور چونکہ اِس کے بانیوں میں سے اکثر کے نام میں فضل آتا تھا اِس لئے اِس کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔ اِس واقعہ پر سالہا سال گزرنے کے بعد ایک دفعہ صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ کیسی سوسائٹی تھی جس میں آپ بھی شریک ہوئے تھے؟ غالبًا صحابہ کا منشاء یہ تھا کہ آپ تو نبی ہونے والے تھے آپ ایک انجمن کے ممبر کس طرح ہو گئے جس میں دوسروں کے

ماتحت ہو کر کام کرنا پڑتا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تحریک مجھے ایسی پیاری تھی کہ اگر آج بھی مجھے کوئی اس کی طرف بُلائے تو میں اس میں شامل ہونے کے لئے تیار رہوں۔[۳۷] گویا غرباء کی امداد کے لئے آپکو دوسروں کی ماتحتی میں بھی کوئی عار نہیں تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مظلوم شخص کے متعلق ابوجہل سے مطالبہ

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک ثبوت بھی انہی دنوں بہم پہنچا دیا۔ مکّہ کے قریب کا ایک شخص تھا جس کا ابوجہل کے ذمہ کچھ قرض تھا اُس نے ابوجہل سے اپنے روپے کا مطالبہ شروع کر دیا مگر ابوجہل اس کی ادائیگی میں لیت ولعل کرتا رہا۔ آخر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ابوجہل نے میرا اتنا روپیہ مارا ہوا ہے آپ مجھے میرا حق دلا دیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ابوجہل آپ کے قتل کا فتویٰ دے چکا تھا اور مکّہ کا ہر شخص آپ کا جانی دشمن تھا۔ جب آپ باہر نکلتے تو لوگ آپ پر پتھر اور مٹی پھینکتے، بیہودہ آوازے کستے اور ہنسی اور تمسخر کرتے مگر آپ نے ان باتوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور فوراً اُس آدمی کو ساتھ لے کر ابوجہل کے مکان پر پہنچے اور دروازہ پر دستک دی۔ ابوجہل نے دروازہ کھولا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ شخص جس کا میں اِس قدر دشمن ہوں آج میرے مکان پر چل کر آ گیا ہے۔ اُس نے پوچھا آپ کس طرح آئے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اس شخص کا کوئی روپیہ دینا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر دے دو۔ ابوجہل خاموشی سے اندر گیا اور روپیہ لا کر اس کے حوالے کر دیا۔[۳۸]

قدرت کا ایک عجیب نشان

جب یہ خبر مکّہ میں مشہور ہوئی تو لوگوں نے ابوجہل کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا کہ تم تو کہتے تھے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جتنا دُکھ دیا جائے اتنا ہی اچھا ہے اور خود اُن سے اتنا ڈر گئے کہ اُن کے کہتے ہی چُپ کر کے روپیہ لا کر دیدیا۔ ابوجہل کہنے لگا تم نہیں جانتے جب میں نے دروازہ کھولا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں دو

دیوانے اونٹ کھڑے ہیں اور اگر مَیں نے ذرا بھی انکار کیا تو وہ مجھے نوچ کر کھا جائینگے۔[۵۷] غرض ایک غریب کا حق دلوانے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا اور اس طرح اپنے عمل سے بتا دیا کہ انسان کے اندر غرباء کی امداد کا کس قدر احساس ہونا چاہیئے۔

صدقہ کا ایک دینار تقسیم نہ ہونے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ

اِسی طرح ایک دفعہ صدقات کا کچھ روپیہ آیا تو اُن کو تقسیم کرتے ہوئے ایک دینار کسی کونے میں گر گیا اور آپ کو اُٹھانے کا خیال نہ رہا۔ نماز پڑھانے کے بعد آپ کو یاد آیا تو لوگوں کے اوپر سے پھاندتے ہوئے آپ جلدی سے اندر تشریف لے گئے۔ صحابہؓ حیران ہوئے کہ آج کیا بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی گھبراہٹ میں گھر تشریف لے گئے ہیں۔ جب آپ واپس آئے تو آپ نے فرمایا صدقہ کا ایک دینار گھر میں رہ گیا تھا میں نے چاہا کہ جس قدر جلدی ممکن ہو اِسے غرباء میں تقسیم کر دوں۔[۶۷]

حضرت عائشہؓ کی سخاوت

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو خود نہیں کماتی تھیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے تعلق کی وجہ سے صحابہ آپ کی خدمت میں اکثر ھدایا بھجواتے رہتے تھے لیکن وہ بھی اپنا اکثر روپیہ غرباء اور مساکین میں تقسیم فرما دیا کرتی تھیں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ بعض دفعہ ایک ایک دن میں ہزارہا روپیہ آپ کے پاس آیا مگر آپ نے وہ سب کا سب شام تک تقسیم کر دیا اور ایک پائی بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ اِس پر ایک سہیلی نے کہا آپ روزہ سے تھیں افطاری کے لئے چار آنے تو رکھ لیتیں آپ نے فرمایا تم نے پہلے کیوں نہ یاد دلایا۔[۷۷]

حضرت عائشہ کی اپنے بھانجے سے ناراضگی

ان کی عادت کو دیکھ کر ایک دفعہ ان کے بھانجے نے جس نے اُن کے مال کا وارث ہونا تھا کہیں کہہ دیا کہ حضرت عائشہ تو اپنا سارا مال لُٹا دیتی ہیں۔ یہ خبر جب

حضرت عائشہ کو پہنچی تو آپ نے اپنے گھر میں اُس کا آنا جانا بند کر دیا اور قسم کھائی کہ اگر مَیں نے اسے اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی تو مَیں اس کا کفارہ ادا کروں گی۔ کچھ عرصہ کے بعد صحابہؓ نے درخواست کی کہ آپ اس کا قصور معاف فرما دیں۔ چنانچہ اُن کے زور دینے پر حضرت عائشہؓ نے اسے معاف کر دیا مگر فرمایا کہ چونکہ مَیں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر میں اسے معاف کروں گی تو کفارہ ادا کروں گی اس لئے میں اس کا کفارہ یہ قرار دیتی ہوں کہ آئندہ میرے پاس جو دولت بھی آئیگی وہ مَیں سب کی سب غرباء اور یتامیٰ و مساکین کی بہبودی کے لئے تقسیم کر دیا کرونگی۔ [۷۸]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی کثرتِ مال کے باوجود انتہائی سادہ زندگی

اِسی طرح صحابہؓ میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف لاکھوں روپیہ کی جائداد کے مالک تھے چنانچہ جب آپ فوت ہوئے تو اڑھائی لاکھ دینار اُن کے گھر سے نکلا [۷۹] مگر اتنی دولت رکھنے کے باوجود تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اموال کا اکثر حصّہ غرباء کی ترقی کے لئے خرچ دیا کرتے تھے۔ [۸۰] غرض صحابہ نے مال و دولت کو کبھی ذاتی بڑائی کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ اُسے بنی نوع انسان کی بہبودی کے لئے خرچ کیا ہے۔

ایک صحابی کا اپنے تمام قرض معاف کر دینا

یہ خوبی صحابہ میں اس قدر نمایاں پائی جاتی تھی کہ اسلامی تاریخ میں ایک مشہور صحابی حضرت قیس کے متعلق جنہیں فتح مکّہ کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا تھا روایت آتی ہے کہ جب وہ مرضُ الموت میں مبتلاء ہوئے تو ایک دن انہوں نے اپنے بعض دوستوں سے پوچھا کہ میری بیماری کی خبر تو سب لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے مگر میری عیادت کو بہت کم لوگ آئے ہیں اِس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا بات دراصل یہ ہے کہ آپ بڑے مخیّر آدمی ہیں آپ نے سینکڑوں لوگوں کو قرض دیا ہوا ہے اب وہ آپ کے پاس آتے ہوئے شرماتے ہیں کہ

مبادا آپ روپیہ کا تقاضا نہ کر دیں۔ آپ نے فرمایا! او ہو میرے دوستوں کو بڑی تکلیف ہوئی جاؤ اور سارے شہر میں منادی کر دو کہ ہر شخص جس کے ذمہ قیس کا کوئی قرض ہے وہ اُسے معاف کر دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اِس اعلان پر اِس قدر لوگ ان کی عیادت کے لئے آئے کہ ان کی سیڑھیاں ٹوٹ گئیں۔[۸۱] یہ وہ بَرَرَۃٍ تھے جو محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صُحبت سے تیار ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں اور اپنے اموال کو ایک حقیر چیز کی طرح محض اِس لئے لُٹا دیا کہ بنی نوع انسان کو ترقی حاصل ہو۔

تمام مشکلات کو دُور کرنے کا وعدہ

پھر دنیا میں حکومتوں پر جب مشکلات کے اوقات آتے ہیں تو بادشاہ اُن کا حوالہ دیکر کہتے ہیں کہ ہم امید کرتے ہیں کہ تم ثابت قدم رہو گے اور ہماری حکومت کے ہوا خواہ ثابت ہوگے اور ہمارے درجہ کی بلندی کا موجب ثابت ہوگے مگر اِس دربار میں مَیں نے یہ عجیب بات دیکھی کہ تمام مشکلات کے حل کرنے کا بادشاہ خود وعدہ کرتا ہے۔

ترکِ وطن کے صدمہ پر مکّہ میں واپسی کی بشارت

مثلاً سب سے بڑا صدمہ اس روحانی گورنر جنرل کو اپنے آبائی وطن کے چھوڑنے کا پیش آنے والا تھا سو اِس کی اُس نے پہلے خبر دے دی کہ عارضی طور پر ہماری مصلحت کے ماتحت تمہارے دشمن تم پر غالب آئیں گے اور تم کو اپنا وطن چھوڑنا پڑیگا لیکن ہم تجھے پھر اپنے وطن میں واپس لائیں گے چنانچہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ[۸۲] ہم جس نے تجھ پر قرآن کی حکومت قائم کی ہے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب دشمن تجھے تیرے وطن سے نکال دیگا جس کی طرف دنیا حج اور عمرہ کے لئے بار بار آتی ہے تو ہم پھر تجھے واپس تیرے وطن میں لے آئیں گے۔ غور کرو اور دیکھو کہ کتنی بڑی تشفی ہے۔

اوّل مصیبت کے آنے کی خبر دی۔

دوم اس مصیبت کے وقت میں پیشگوئی پورا ہونے کی خوشی پہنچائی۔

سوم واپس آنے کی خوشخبری دی اور

چہارم عملاً واپس لا کر دل کو تیسری خوشی پہنچائی۔ کیا دنیا کا کوئی دربارِ خاص اس روحانی دربار کا مقابلہ کرسکتا ہے؟

دربارِ خاص میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی حکومت کا اعلان

پھر سب حکومتیں ایک عرصہ کے بعد کمزور ہو کر مٹ جاتی ہیں کوئی حکومت دائمی نہیں ہوتی۔ انگریزوں ہی کو دیکھ لو اُن کی حکومت اب ہندوستان میں کہاں ہے؟ سیلون میں کہاں ہے؟ برما میں کہاں ہے؟ پرانی زبردست حکومتیں کہاں ہیں؟ نہ بادشاہ باقی رہے نہ اُن کے اُمراء اور وزراء باقی رہے، نہ مشکلات میں مشورے دینے والے کام آئے نہ دوسروں کی مشکلات میں مدد دینے کا وعدہ کرنیوالے اپنے وعدوں کا ایفاء کر سکے مگر مَیں نے اس دربارِ خاص میں دیکھا کہ گورنر جنرل کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ تم کو ہمیشہ کی حکومت دنیا پر دی جاتی ہے چنانچہ فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا [۸۳] اے ہمارے رسول! ہم نے تجھے کسی ایک قوم یا ایک ملک کی طرف نہیں بھیجا، کسی ایک صدی یا ایک زمانہ کے لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کیا بلکہ دنیا کی ہر قوم اور قیامت تک آنے والا ہر زمانہ تیرا مخاطب ہے اور ہر فرد کے لئے تیری غلامی لازمی ہے گویا تیری حکومت دُنیوی بادشاہوں کی طرح عارضی اور فانی نہیں بلکہ دائمی حکومت تجھے عطا کی جاتی ہے اور ہمیشہ کی سرفرازی تجھ کو بخشی جاتی ہے اب کوئی ماں ایسا بچہ نہیں جَن سکتی جو تیرے مقابل میں کھڑا ہو سکے۔ یہ کیسا شاندار مقام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا اور کیسا عظیم الشان دربار ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز کے لئے منعقد ہوا۔

دیوانِ خاص کی چوتھی غرض

(۴) چوتھی غرض دیوانِ خاص کی یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنے درباریوں کو اُن کے اچھے کاموں پر خطاب دیتا اور انعام بخشتا ہے مگر دنیا کے درباروں میں مَیں نے دیکھا کہ خطاب ہے تو بے معنی اور انعام ہے تو فانی، حکومتیں ''خان بہادر'' اور ''خان صاحب'' کا خطاب دیتی ہیں مگر حقیقتاً نہ وہ خان ہوتے ہیں نہ بہادر۔ پھر انعام دیتی ہیں تو بسا اوقات وہ انعام

عارضی ثابت ہوتے ہیں اور دوسری حکومت چھین لیتی ہے۔ کبھی انعام ملنے سے پہلے ہی وہ صاحب ختم ہو جاتے اور کبھی اُن سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ کھانا ملتا ہے تو معدہ خراب ہو جاتا ہے، کپڑا ملتا ہے تو جسم پر خارش یا کوڑھ ہو جاتا ہے اور انسان نہ اس کھانے سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے نہ کپڑے سے۔ کبھی انعام لینے والے خود حکومت کے دشمن ہو جاتے ہیں جیسے بعض انگریز کے خوشامدی اور اس سے انعام واکرام لینے والے آج ہم سے اِس لئے ناخوش ہیں کہ یہ انگریز کی اطاعت کرتے تھے اُس وقت ان کی تعریف سے ان کے لب خشک ہوتے تھے اور بڑی بڑی کوششوں اور اِلتجاؤں کے بعد انعام لیتے تھے اور اب ہم پر جنھوں نے کبھی کچھ نہیں لیا آنکھیں نکالتے ہیں کہ تم نے اُن کے اچھے کاموں کی تعریف کیوں کی۔ غرض دُنیوی درباروں کا نہ خطاب حقیقت کے مطابق ہوتا ہے نہ انعام مستقل اور پائدار ہوتا ہے اور نہ انعام لینے والے حکومت کے سچے وفادار ہوتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کا خطاب

مگر مَیں نے دیکھا کہ اِس دربار کا خطاب بالکل سچا اور انعام ہمیشہ کے لئے رہنے والا ہے چنانچہ دیکھ لو صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ خطاب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُھٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡھُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ [۸۴] یعنی مہاجرین اور انصار میں سے وہ لوگ جو سابق بِالایمان ہیں اور اِسی طرح وہ لوگ جنھوں نے نیکی اور تقویٰ میں ان کے نمونہ کی اتباع کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اُس سے راضی ہو گئے یہ وہ عظیم الشان خطاب ہے جو صحابہ کرامؓ کو ملا اور عَلٰی رُؤُوۡسِ الۡاَشۡھَادِ اِس کا اعلان کیا گیا۔ دنیا میں ہزاروں انقلابات آئے، حکومتیں بدلیں، حوادث رونما ہوئے مگر اس الٰہی دربار سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ کا جو خطاب صحابہ کرامؓ کو ملا تھا وہ بدل نہ سکا۔ آج بھی جب صحابہؓ کا کوئی ذکر کرتا ہے تو ایک مخلص کا دِل محبت اور پیار کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے اور وہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ

کہے بغیر نہیں رہتا اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا چلا جائے گا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں دنیا میں لوگ نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں اور پھر اُن قربانیوں کے بعد جو بدلہ اُنہیں ملتا ہے وہ نہایت ہی ذلیل اور ادنیٰ قسم کا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے انعامات اتنے اہم ہوتے ہیں اور اُن کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ اُن کے مقابلہ میں دنیا کی بادشاہتیں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں مثلاً یہی بات دیکھ لو تیرہ سَو سال کا زمانہ گزرنے کے باوجود آج بھی صحابہؓ کا ذکر آئے تو ہم رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اب یہ بھی ایک خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ایسا ہی جیسے خان صاحب یا خان بہادر یا سر یا ڈیوک یا مارکوئس یا ارل وغیرہ ہیں مگر سوچو تو سہی کتنے خان بہادر یا سر یا ڈیوک یا مارکوئس یا ارل ہیں جن کا نام دنیا جانتی ہے یا کتنے بادشاہ ہیں جن کا نام دنیا خطاب سمیت لیتی ہے؟ بڑے بڑے بادشاہ دنیا میں گزرے ہیں مگر آج لوگ اُن کا نام نہایت بے پروائی سے لیتے ہیں۔

سکندر، دارا، اور تیمور کا انجام

سکندر کتنا بڑا بادشاہ تھا یونان سے وہ چلتا ہے اور ہندوستان تک فتح کرتا چلا آتا ہے اور بڑی بڑی زبردست حکومتوں کو راستہ میں شکست دیتا ہے مگر آج ایک غریب اور معمولی مزدور بھی سکندر کا نام نہایت بے پروائی سے لیتا ہے۔ بچے بھی سکندر سکندر کہتے پھرتے ہیں اور کوئی ادب کا لفظ اُس کے لئے استعمال نہیں کرتا۔

دارا بھی ایک عظیم الشان بادشاہ تھا اور گو اسے سکندر کے مقابلہ میں شکست ہوئی مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی زبردست سلطنت کا مالک تھا اور چین تک اس کی حکومت پھیلی ہوئی تھی مگر آج لوگ اسے دارا دارا کہتے پھرتے ہیں بادشاہ کا لفظ بھی اُس کے متعلق استعمال نہیں کرتے۔

تیمور جو ایک زمانہ میں دنیا کے لئے قیامت بن گیا تھا آج اسے ساری دنیا تیمور لنگ یعنی لنگڑا تیمور کہتی ہے حالانکہ اپنے زمانہ میں اُس کی اتنی ہیبت تھی کہ جب وہ حملہ کرتا تو کُشتوں کے پُشتے لگا دیتا اور بعض جگہ تو لوگوں کو مار مار کر اُن کی لاشوں کو جمع کرتا اور مینار

کھڑا کر دیتا۔ بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ اُس نے کئی لاکھ آدمی قتل کیا ہے مگر اب ایک ذلیل سے ذلیل انسان بھی جب تیمور کا ذکر کرتا ہے تو کہتا ہے ''لنگڑا تیمور'' حالانکہ اُس کے زمانہ میں کسی کو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ اسے لنگڑا تیمور کہے وہ شہنشاہ کہلاتا تھا اور بڑے بڑے حکمران اُس کے خوف سے کانپتے تھے۔

صحابہؓ کی بے مثال عظمت

غرض وہ بادشاہ جن کی اپنے زمانہ میں بڑی ہیبت تھی جن کا نام سُنکر ہزاروں میل پر لوگ کانپ اُٹھتے اُن کا نام آج انتہائی لاپروائی کے ساتھ ایک معمولی اور بے حیثیت آدمی بھی لے لیتا ہے اور کئی تو ایسے ہیں جن کا نام بھی آج کوئی نہیں جانتا مگر وہ غریب بکریاں اور اونٹ چرانے والے صحابہؓ جنہوں نے غربت میں اپنی عمریں گزار دیں آج ان کا نام آتا ہے تو رَضِيَ اللہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ کہے بغیر ایک مسلمان کا دل مطمئن ہی نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی فاقہ کشی

حضرت ابو ہریرہؓ کو ہی دیکھ لو وہ اپنے متعلق کہتے ہیں کہ مجھے سات سات وقت کا فاقہ ہو جاتا تھا اور جب میں شدتِ ضُعف سے بیہوش ہو جاتا تھا تو لوگ میرے سر پر جُوتے مارتے اور سمجھتے کہ مجھے مرگی کا دَورہ ہو گیا ہے پھر حضرت ابو ہریرہؓ کسی اعلیٰ خاندان میں سے نہ تھے کوئی نامور لیڈر یا مشہور ادیب نہ تھے، کوئی فوجی ماہر یا سیاسی نفوذ رکھنے والے انسان نہ تھے مگر آج بھی ہماری یہ کیفیت ہے کہ ابو ہریرہ کا نام آتا ہے تو رَضِيَ اللہُ عَنْہُ کہے بغیر دل کو چین ہی نہیں آتا۔

حضرت ابوبکر رَضِيَ اللہُ عَنْہُ کا بلند مقام

اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جو حالت تھی وہ خود ان کے باپ کی شہادت سے ظاہر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باپ کا نام ابوقحافہ تھا جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اُس وقت ابوقحافہ مکہ میں تھے کسی شخص نے وہاں جا کر ذکر کیا کہ ابوبکرؓ عرب کا بادشاہ ہو گیا ہے۔ ابوقحافہ مجلس میں بیٹھے تھے کہنے لگے کونسا ابوبکر؟ اُس نے کہا وہی ابوبکر قریشی۔ کہنے لگے کونسا قریشی؟ اُس نے کہا وہی جو

تمہارا بیٹا ہے اور کون۔ وہ کہنے لگے واہ! ابو قحافہ کے بیٹے کو عرب اپنا بادشاہ مان لیں یہ کیسے ہوسکتا ہے تُو بھی عجیب باتیں کرتا ہے۔ غرض ابو قحافہ کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے متعلق یہ مان ہی نہیں سکتے تھے کہ سارا عرب اُنہیں بادشاہ تسلیم کرلے گا مگر اسلام کی خدمت اور دین کے لئے قربانیاں کرنے کی وجہ سے آج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو عظمت حاصل ہے وہ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں آج دنیا کے بادشاہوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں جسے اتنی عظمت حاصل ہو جتنی حضرت ابوبکرؓ کو حاصل ہے بلکہ حضرت ابوبکرؓ تو الگ رہے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو اتنی عظمت حاصل نہیں جتنی مسلمانوں کے نزدیک ابوبکرؓ کے نوکروں کو حاصل ہے اس لئے کہ اُس نے ہمارے ربّ کے دروازہ پر سجدہ کیا اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَر کا غلام ہوگیا اب یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اِس عظمت کو ہمارے دلوں سے محو کرسکے اور اُس خطاب کو چھین سکے جو اس نے اپنے دربار میں صحابہ کرامؓ کو دیا۔ آج صحابہ کے زمانہ پر تیرہ سَو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر آج بھی وہ خطاب جو خدا نے اُن کو دیا تھا قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہیگا۔

رقابت اور عِناد سے پاک دربار

پھر دُنیوی بادشاہوں کے ''دیوانِ خاص'' میں باریاب ہونے والوں کو خطابات ملتے ہیں تو باہم رقابت اور دشمنی اور لڑائی شروع ہو جاتی ہے لیکن اس دیوانِ خاص میں شریک ہونے والوں کے دلوں میں کوئی رقابت، کوئی دشمنی اور کوئی لڑائی نہیں ہوتی بلکہ ان کے دل ایک دوسرے کی محبت اور پیار کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۱﴾ [۸۵] یعنی بعد میں آنے والے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! تُو ہمیں بھی بخش اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی بخش جو ہم سے ایمان لانے میں سبقت اختیار کرچکے ہیں اور ہمارے دلوں کو اُن کے متعلق ہر قسم کے کینہ اور

بُغض سے صاف کر دے۔ اے ہمارے ربّ! تُو بڑا مہربان اور بڑا رحم کرنیوالا ہے۔

تعلقات کی خرابی کی تین وجوہ

دنیا میں تعلقات کی تمام تر خرابی حسد، رقابت اور آئندہ کے خطرات کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ حسد پہلوں سے ہوتا ہے رقابت ہمعصروں سے ہوتی ہے اور خطرہ بعد میں آنے والوں سے ہوتا ہے لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر ایک سچا مؤمن اِن تینوں نقائص سے اپنا دل صاف رکھنے کی خواہش کرتا ہے گویا اس کا دل ایسا پاکیزہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ پہلوں کا حسد ہوتا ہے نہ ہمعصروں کی رقابت ہوتی ہے اور نہ بعد میں آنے والوں کے متعلق کوئی بدظنی ہوتی ہے۔

ہر قسم کے بُغض اور کینہ سے مبرّا وجود

اسی طرح اللہ تعالیٰ اس ''دیوانِ خاص'' والے درباریوں کی نسبت فرماتا ہے کہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۶﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۸﴾ [۸۶] یعنی متقی لوگ باغات اور چشموں والے مقامات میں ہونگے اور انہیں کہا جائیگا کہ تم سلامتی کے ساتھ ان میں داخل ہو جاؤ اور ان کے سینوں کو ہر قسم کے بُغض اور کینہ اور حسد سے پاک کر دیا جائیگا اور وہ بھائی بھائی بن کر جنت میں رہیں گے۔

الٰہی خطابات کو چھیننے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا

غرض اس دربار میں خطابات تقسیم ہوتے ہیں تو باہم چپقلش اور رقابت شروع نہیں ہو جاتی اور پھر خطابات ملتے ہیں تو وہ نہ صرف حقیقت کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ دنیا لاکھ کوشش کرے وہ اُن کو چھیننے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اِس دربار سے اگر کسی کو نبی کا خطاب دیا گیا تو وہ نبی فوت ہو چکا اور ہزارہا برس اُس کی وفات پر گزر گئے مگر نبی کا خطاب موجود ہے اور اگر اس سے کوئی منکر ہوتا ہے تو فوراً باغیوں میں شریک ہو جاتا ہے۔ حکومت بدل گئی، گورنر کے بعد گورنر تبدیل ہوئے مگر مجال ہے کہ پُرانے گورنر کی کوئی ہتک کر سکے اور اُس کے درجہ کو کم کر سکے!

غرض یہ وہ دربار ہے جس میں درباری کو جو خطاب دیا جاتا ہے اُس کے چھیننے کی کسی میں طاقت نہیں ہوتی اور پھر جو خطاب دیا جاتا ہے وہ بالکل سچّا اور حقیقت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر کسی کو بہادر کہتا ہے تو وہ بہادر ہی ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ حکومت اسے ''خان بہادر'' کہے اور وہ ایک چُوہے سے بھی ڈرتا رہے۔

محمد رسول اللہ اور صحابہ کرامؓ کو ایک اور عظیم الشّان خطاب

پھر ہم نے دیکھا کہ اِسی قسم کا ایک اَور اعلان بھی اس دربار سے ہو رہا تھا اور دربارِ خاص کا مالک اپنے گورنر جنرل کے متعلق کہہ رہا تھا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ۸۷؎ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور وہ لوگ جو اُن پر ایمان لا کر ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں کفار کے لئے بڑے سخت واقع ہوئے ہیں مگر ان کا آپس میں سلوک انتہائی رحم اور شفقت پر مبنی ہے۔ تُو انہیں دیکھے گا کہ وہ رات اور دن خدا تعالیٰ کے حضور رکوع و سجود میں بسر کرتے اور اُس کا فضل تلاش کرتے ہیں اور اُس کی رضا کے حصول کے لئے ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں اور اُنکی اِس پاکیزہ زندگی کا نشان خود ان کے چہروں سے عیاں ہو گیا ہے۔

قوتِ مؤثرہ اور قوتِ متأثرہ کے کرشمے

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ وہ ایک طرف تو اپنے گرد و پیش کے اثرات کو قبول کرنے کے لئے بڑی شدت سے مائل رہتا ہے اور دوسری طرف اس میں یہ بھی طاقت ہے کہ اگر چاہے تو وہ ایسے اثرات کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ گویا ایک طرف تو وہ ایک مضبوط چٹان ہے کہ جس سے سمندر کی تیز لہریں ٹکرا کر واپس لَوٹ جاتی ہیں اور اُس پر ذرا بھی نشان پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتیں اور دوسری طرف وہ ایک اسفنج کے ٹکڑے کی طرح یا نرم موم کی طرح ہے کہ اُس پر ہاتھ ڈالتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں طاقتِ مقابلہ ہے ہی نہیں اور یہی

دونوں چیزیں انسان کے تمام اعمال کی جڑ ہیں یعنی کسی جگہ پر اثر قبول کرنا اور کسی جگہ پر اُس کو ردّ کر دینا۔

اچھے اثرات کو قبول کرنے اور بُرے اثرات کو ردّ کرنے کی خوبی

اس جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہیں یعنی یہ نہیں کہ وہ ہر اثر کو قبول کرنے والے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ شیطان کا اثر بھی قبول کر لیتے۔ اور یہ بھی نہیں کہ کسی کا اثر قبول نہ کریں کیونکہ اس صورت میں وہ فرشتوں کے اثر کو بھی ردّ کر دیتے بلکہ اُن کے اندر یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں یہ بھی طاقت ہے کہ خواہ کتنے ہی تکلیف دِہ نتائج ہوں پھر بھی وہ کسی غلط اثر کو قبول نہیں کرتے اور یہ بھی طاقت ہے کہ خواہ حالات کتنے مخالف ہوں وہ اچھی چیز کے اثر کو ردّ نہیں کرتے۔ جب کسی ایسی چیز کا سوال ہو جو مذہب اور دین کے خلاف ہو تو وہ ایک ایسے پہاڑ کی مانند بن جاتے ہیں جس پر کوئی چیز اثر نہیں کر سکتی لیکن جہاں تقویٰ اور باہمی اخوت اور برادرانہ تعلّقات کا سوال ہو وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ تصویر لینے کا ایک شیشہ ہیں اور فوراً اس کے عکس کو قبول کر لیتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا نمونہ

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی زندگی میں یہ دونوں باتیں نہایت نمایاں طور پر پائی جاتی تھیں یعنی ایک طرف تو غیرت میں اِس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ دین کے خلاف کوئی بات سُننا تک برداشت نہیں کر سکتے تھے اور دوسری طرف وہ محبت میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ اپنے بھائیوں کا کوئی قصور اُنہیں نظر ہی نہیں آتا تھا۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دشمنوں نے کئی مواقع پر چاہا کہ آپ ان کے بارہ میں نرمی سے کام لیں اور اُن کے بُتوں کی تنقیص نہ کریں مگر آپ نے کسی مرحلہ پر بھی اُن کے آگے سر نہیں جُھکایا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ اس انکار کے نتیجہ میں ان لوگوں کی آتشِ غضب اَور بھی بھڑک اُٹھے گی اور

یہ پہلے سے زیادہ جوش اور انتقامی قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کے لئے کمر بستہ ہو جائینگے مگر آپ نے اپنی یا اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کی مشکلات کی کوئی پرواہ نہ کی اور ہمیشہ انہیں یہی کہا کہ خدا نے جس پیغام کے پہنچانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے میں اس کے پہنچانے میں اپنے آخری سانس تک کوشش کرتا چلا جاؤں گا اور کبھی اس میں غفلت اور کوتاہی سے کام نہ لونگا۔

عمائدِ قریش کے آنے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا کو جواب

جب مکّہ میں اسلام نے پھیلنا شروع کیا اور قریش کو نظر آنے لگا کہ ان کی کوششیں ناکامی کا رنگ اختیار کرتی جا رہی ہیں تو انہوں نے اپنا ایک وفد ابوطالب کے پاس بھیجا جس میں ابوجہل، ابوسفیان اور عتبہ وغیرہ قریش کے بڑے بڑے رؤساء شامل تھے۔ انہوں نے ابوطالب کے پاس آ کر کہا کہ آپ ہماری قوم میں معزز ہیں اس لئے ہم آپ سے یہ درخواست کرنے آئے ہیں کہ اب بات حد سے بڑھ چکی ہے ہم نے آج تک بہت صبر کیا ہے مگر اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ہمارے بُتوں کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ دے اور اگر وہ نہ مانے تو اس کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں ہم خود اس سے نپٹ لینگے۔ اور اگر آپ اپنے بھتیجے کو بھی نہ سمجھائیں اور اس کی حمایت سے بھی دستبردار نہ ہوں تو ہم آپ کا بھی مقابلہ کرینگے اور آپ کو اپنی لیڈری سے الگ کر دینگے۔ ابوطالب کے لئے یہ ایک نہایت ہی نازک موقع تھا انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلایا اور کہا اے میرے بھتیجے! آج تیری قوم کے معزّزین کا ایک وفد میرے پاس آیا تھا وہ تیری باتوں سے سخت مشتعل ہو چکے ہیں اور قریب ہے کہ وہ لوگ کوئی سخت قدم اُٹھائیں اور مجھے بھی تکلیف پہنچائیں۔ میں محض تیری خیر خواہی کے لئے کہتا ہوں کہ اِن باتوں کو چھوڑ دے ورنہ میں اکیلا ساری قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افسردگی کی گھڑیوں میں سے یہ سخت ترین گھڑی تھی۔ ایک طرف وہ شخص تھا جس نے نہایت محبت سے آپ کو پالا تھا اور جس کے پاؤں میں کانٹا چُبھنا بھی آپ گوارہ نہ کر سکتے تھے اُسے

ساری قوم دُکھ دینے اور نقصان پہنچانے کی دھمکی دے رہی تھی اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کی صداقت کا اظہار تھا۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے کہا۔ اے میرے چچا! آپ بیشک میرا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنی قوم کے ساتھ مل جائیں۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں بھی لا کر کھڑا کر دیں تب بھی میں خدائے واحد کی توحید کے اعلان سے نہیں رُک سکتا ۸۸؎ کیونکہ یہی وہ کام ہے جس کے لئے میں اِس دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ آپؐ کا انتہائی مشکلات اور مصائب کے اوقات میں جبکہ ابوطالب کے قدم بھی لڑکھڑا گئے تھے یہ دلیرانہ جواب اِس لئے تھا کہ آپ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت کے حامل تھے اور دین کے لئے اتنی غیرت رکھتے تھے کہ کفر کی ہر طاقت کے مقابلہ میں ایک مضبوط چٹان کی طرح ڈٹ جاتے تھے اور کسی بڑی سے بڑی مصیبت کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

مسیلمہ کذّاب کی ناکام واپسی

اِسی طرح ایک دفعہ مسیلمہ کذّاب آپ کے پاس آیا اور اُس نے کہا اگر آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ مقرر کر دیں تو میری ساری قوم آپ پر ایمان لانے کے لئے تیار ہے۔ اُس وقت اُس کی قوم کا ایک لاکھ سپاہی اُس کی پُشت پر تھا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا چاہتا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد اُسے حکومت دیدی جائے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں خدا نے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت کا حامل بنایا تھا انہوں نے جب اس بات کو سُنا تو آپ نے کھجور کی شاخ کے ایک تنکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو اُس وقت آپؐ کے ہاتھ میں تھی فرمایا تم تو خلافت کہتے ہو میں تو تمہیں یہ تنکہ بھی دینے کے لئے تیار نہیں۔ یہ جواب ایسا تھا جس پر وہ غصہ اور ناراضگی کی حالت میں واپس چلا گیا ۸۹؎ اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو وہ اپنے ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا اور اُس نے ایسا شدید حملہ کیا جس کی مثال کسی پہلے حملہ میں نہیں ملتی مگر باوجود اس کے کہ مسیلمہ اور اس کی قوم کی طرف سے حقیقی خطرہ کا امکان تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطالبہ کو ردّ کر دیا اور اِس بات کی ذرہ

بھی پرواہ نہ کی کہ اِس کے نتیجہ میں کیا مشکلات آسکتی ہیں۔

ایک صحابی کی درخواست پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے اپنی چادر دے دینا

مگر جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مقابلہ میں ایک ایسے پہاڑ کی حیثیت رکھتے تھے جس سے ٹکرا کر انسان کا سر پاش پاش ہو جاتا ہے مگر پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہِل سکتا وہاں اپنے ماننے والوں کے متعلق آپ کے دل میں اِس قدر محبت اور پیار کے جذبات پائے جاتے تھے کہ احادیث میں لکھا ہے ایک دفعہ ایک مخلص عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خوبصورت چادر پیش کی جو اس نے اپنے ہاتھ سے بُنی تھی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپؐ اسے اپنی ذات کے لئے استعمال فرمائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ چادر پہن کر باہر تشریف لائے تو ایک شخص آگے بڑھا اور اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! یہ چادر مجھے دے دیجئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس چادر کی خود ضرورت تھی مگر آپ نے اُس کے سوال کو ردّ کرنا مناسب نہ سمجھا اور فوراً واپس آ کر اُسے چادر بھجوادی۔ لوگوں نے اسے ملامت کی کہ تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چادر کیوں مانگ لی؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس کی خود ضرورت تھی۔ اُس نے کہا مَیں نے یہ چادر اپنے کفن کے لئے لی ہے چنانچہ راوی کہتا ہے کہ بعد میں وہی چادر اُس کا کفن بنی۔[۹۰]

غرباء کی دلداری

اِسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک غریب صحابی جو اتفاقی طور پر بدصورت بھی تھے سخت گرمی کے موسم میں اسباب اُٹھا رہے ہیں اور اُن کا تمام جسم پسینہ اور گردوغبار سے اَٹا ہوا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے ان کے پیچھے چلے گئے اور جس طرح بچے کھیل میں چوری چُھپے دوسرے کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ وہ اندازہ سے بتائے کہ کس نے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا ہے اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی سے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ اُس نے آپ کے ملائم ہاتھوں کو ٹٹول کر سمجھ لیا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم ہیں تو محبت کے جوش میں اُس نے اپنا پسینہ سے بھرا ہوا جسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے ساتھ مَلنا شروع کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے اور آخر آپ نے فرمایا میرے پاس ایک غلام ہے کیا اِس کا کوئی خریدار ہے؟ اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میرا خریدار دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ایسا مت کہو خدا کے حضور تمہاری بڑی قیمت ہے۔[۹۱]

عورتوں کی تکلیف کا احساس

ایک دفعہ آپ نے فرمایا جب میں نماز پڑھاتا ہوں تو بعض دفعہ میرا جی چاہتا ہے کہ مَیں نماز کو لمبا کروں مگر اچانک میرے کانوں میں کسی بچہ کے رونے کی آواز آجاتی ہے اِس پر مَیں جلدی جلدی نماز پڑھا دیتا ہوں تاکہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔[۹۲] غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہمیں دونوں قسم کے نظارے نظر آتے ہیں۔ وہ نظارے بھی جن میں آپ دشمن کے سامنے ایک ننگی تلوار کی طرح کھڑے ہو گئے اور نہ اس کی دھمکیوں سے مرعوب ہوئے نہ اس کی خوشامد سے متأثر ہوئے۔ اور وہ نظارے بھی جن میں آپ نے اپنے ماننے والوں سے ایسی شفقت اور محبت کا سلوک کیا کہ کوئی ماں بھی اپنے بچوں سے اس شفقت کا اظہار نہیں کرتی۔

جنگِ بدر میں صحابہؓ کا دشمن کیلئے پیغامِ موت بن کر ظاہر ہونا

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے متبعین میں بھی یہ دونوں اوصاف پیدا فرما دیئے تھے اور وہ بھی اگر ایک طرف اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی صفت کے حامل تھے تو دوسری طرف ماننے والوں کے لئے مجسمہء رحم واُلفت تھے۔ چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بدر کی جنگ ہوئی تو اس جنگ میں صرف ۳۱۳ آدمی مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوئے اور وہ بھی بالکل بے سروسامان اور ناتجربہ کار تھے لیکن دشمن کا ایک ہزار سپاہی تھا اور پھر وہ سارے کا سارا تجربہ کار آدمیوں پر مشتمل تھا اور اسلحہ کی بھی بڑی بھاری مقدار اُن کے پاس موجود تھی ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل نے ایک عرب سردار سے کہا کہ تم جاؤ اور یہ اندازہ

کرکے آؤ کہ مسلمانوں کی کتنی تعداد ہے؟ جب وہ اسلامی لشکر کا جائزہ لینے کے بعد واپس گیا تو اُس نے کہا میرا اندازہ یہ ہے کہ مسلمان تین سَو اور سَوا تین سَو کے درمیان ہیں۔ ابوجہل اس پر بہت خوش ہؤا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم نے میدان مارلیا۔ اُس نے کہا اے میری! قوم بیشک مسلمان تھوڑے ہیں لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے لڑائی نہ کرو۔ انہوں نے کہا تُو بڑا بزدل ہے آج ہی یہ لوگ قابو آئے ہیں اور آج ہی تُو ہمیں ایسا بُزدلانہ مشورہ دے رہا ہے۔ اُس نے کہا یہ درست ہے مگر پھر بھی میں تمہیں یہی مشورہ دُونگا کہ جنگ نہ کرو کیونکہ اے میری قوم! میَں نے اُونٹوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں ۹۳؎ یعنی میَں نے جس شخص کو بھی دیکھا اُس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اس نیت اور ارادہ کے ساتھ میدانِ جنگ میں آیا ہے کہ آج مر جانا ہے یا ماردینا ہے اس کے سِوا اور کوئی جذبہ اُن کے دلوں میں نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ فدائیت کا بے مثال جذبہ مسلمانوں میں اسی لئے پیدا ہؤا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ صفت کا حامل بنایا تھا اور وہ تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی بڑے بھاری تجربہ کار اور مسلّح لشکر کے مقابلہ میں پیغامِ موت بن کر نمودار ہوتے تھے۔

اہلِ عرب کے ارتداد پر حضرت ابوبکرؓ کی حیرت انگیز جرأت

اس طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو سارا عرب مرتد ہو گیا اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے بہادر انسان بھی اِس فتنہ کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب ایک لشکر رومی علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا اور حضرت اسامہؓ کو اس کا افسر مقرر کیا تھا۔ یہ لشکر ابھی روانہ نہیں ہؤا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپ کی وفات پر جب عرب مرتد ہو گیا تو صحابہؓ نے سوچا کہ اگر ایسی بغاوت کے وقت اسامہؓ کا لشکر ابھی رومی علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دیا گیا تو پیچھے صرف بوڑھے مرد اور بچے اور عورتیں رہ جائیں گی اور مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں رہے گا چنانچہ انہوں نے تجویز کی کہ اکابر صحابہؓ کا ایک وفد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں جائے اور اُن سے درخواست

کرے کہ وہ اس لشکر کو بغاوت کے فرو ہونے تک روک لیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ درخواست پیش کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ بات سُنی تو انہوں نے نہایت غصّہ سے اس وفد کو یہ جواب دیا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو قحافہ کا بیٹا سب سے پہلا کام یہ کرے کہ جس لشکر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کرنے کا حکم دیا تھا اُسے روک لے؟ پھر آپ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر دشمن کی فوجیں مدینہ میں گھس آئیں اور کُتّے مسلمان عورتوں کی لاشیں گھسیٹتے پھریں تب بھی مَیں اس لشکر کو نہیں روکوں گا جس کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا [۹۴] یہ جرأت اور دلیری حضرت ابوبکرؓ میں اِسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ خدا نے یہ فرمایا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔ جس طرح بجلی کے ساتھ معمولی تار بھی مل جائے تو اس میں عظیم الشان طاقت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے نتیجہ میں آپؐ کے ماننے والے بھی اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق بن گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کی اسلام کیلئے غیرت اور جذبۂ فدائیت

اِسی طرح ایک دفعہ باتوں باتوں میں حضرت ابوبکرؓ کے ایک بیٹے نے جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے کہا ابا جان! فلاں جنگ میں جب آپ بدر مقام سے گزر رہے تھے تو اُس وقت مَیں ایک پتھر کے پیچھے چُھپا ہوا تھا مَیں اگر چاہتا تو آپ کو قتل کر سکتا تھا مگر مَیں نے کہا باپ کو مارنا درست نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا خدا نے تجھے ایمان نصیب کرنا تھا اِس لئے تُو بچ گیا ورنہ خدا کی قسم! اگر مَیں تجھے دیکھ لیتا تو ضرور مار ڈالتا۔ [۹۵]

عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بیٹے کا اخلاص

ایک جنگ کے مواقع پر انصار اور مہاجرین میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اُس وقت عبداللہ بن اُبی بن سلول جو ایک دیرینہ منافق تھا اُس نے سمجھا کہ یہ انصار کو بھڑکانے کا اچھا موقع ہے وہ آگے بڑھا اور اُس نے کہا اے انصار! یہ تمہاری غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ

تم نے مہاجرین کو سر چڑھا لیا اب مجھے مدینہ پہنچ لینے دو پھر دیکھو گے کہ مدینہ کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ وہ خود مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دیگا۔ عبداللہ کا بیٹا ایک سچا مسلمان تھا جب اُس نے اپنے باپ کی یہ بات سُنی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہؤا اور اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! میرے باپ نے جو بات کہی ہے اُس کی سزا سوائے قتل کے اور کوئی نہیں ہو سکتی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ اسے یہی سزا دینگے لیکن اگر آپ نے کسی اَور مسلمان کو کہا اور اُس نے میرے باپ کو قتل کر دیا تو ممکن ہے اُس کو دیکھ کر میرے دل میں کبھی خیال آجائے کہ یہ میرے باپ کا قاتل ہے اور مَیں جوش میں آکر اُس پر حملہ کر بیٹھوں اِس لئے یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں تا کہ کسی مسلمان کا بُغض میرے دل میں پیدا نہ ہو۔[۹۶] یہ واقعہ کس طرح اُن دونوں اوصاف کو ظاہر کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے صحابہء کرام میں ودیعت کر دیئے تھے یعنی ایک طرف وہ کفر کے لئے ایک ننگی تلوار تھے اور دوسری طرف اپنے بھائیوں کے جذبات کا انہیں اتنا احساس تھا کہ عبداللہ کے بیٹے نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر درخواست کی کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! اگر آپ میرے باپ کے متعلق قتل کا حکم صادر فرمائیں تو پھر یہ کام میرے سپرد کیا جائے تا کہ کسی اور مسلمان کا بُغض میرے دل میں پیدا نہ ہو۔

ایک معمولی شکر رنجی کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کے پاکیزہ جذبات

اِسی طرح ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی۔ غلطی حضرت عمرؓ کی تھی مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ پر ناراض ہونے لگے تو حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھے اور کہنے لگے یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میرا قصور تھا عمرؓ کا کوئی قصور نہیں تھا۔[۹۷] گویا جس طرح ایک ماں اپنے بچے کے متعلق اُستاد سے شکایت کرتی ہے لیکن جب وہ ڈانٹتا ہے تو سب سے زیادہ دُکھ بھی ماں کو ہی ہوتا ہے یہی حال صحابہ کا تھا اُن کے دلوں میں اپنے بھائیوں

کی اتنی محبت پائی جاتی تھی کہ وہ ان کی معمولی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا ایک بدوی عورت کے بچوں کے فاقہ پر تِلملا اُٹھنا

حضرت عمرؓ کو دیکھ لو اُن کے رُعب اور دبدبہ سے ایک طرف دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کانپتے تھے، قیصر وکسریٰ کی حکومتیں تک لرزہ براندام رہتی تھیں مگر دوسری طرف اندھیری رات میں ایک بدوی عورت کے بچوں کو بھُوکا دیکھ کر عمرؓ جیسا عظیم المرتبت انسان تِلملا اُٹھا اور وہ اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لاد کر اور گھی کا ڈبہ اپنے ہاتھ میں اُٹھا کر اُن کے پاس پہنچا اور اُس وقت تک واپس نہیں لَوٹا جب تک کہ اُس نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر اُن بچوں کو نہ کِھلا لیا اور وہ اطمینان سے سو نہ گئے۔[۹۸]

عبادتِ الٰہی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغراق

عبادت الٰہی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغراق صرف اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ ہی نہیں بلکہ رُکَّعًا سُجَّدًا کے بھی مصداق ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خوبی بھی اُن میں نمایاں طور پر پائی جاتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث سے ثابت ہے کہ آپ رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی اتنی دیر عبادت میں کھڑے رہتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں سُوج جاتے۔[۹۹]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ اِس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟[۱۰۰]

میدانِ جنگ میں بھی نمازوں کی بِالالتزام ادائیگی

اسی طرح صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ میدانِ جنگ میں بھی وہ نمازوں کی ادائیگی کا التزام رکھتے تھے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود رہتے اور دعاؤں اور ذکر الٰہی میں اپنا وقت گزارتے۔

غرض دُنیوی درباروں میں بادشاہوں کی طرف سے جو خطابات دیئے جاتے ہیں وہ

بسا اوقات حقیقت کے برعکس ہوتے ہیں مگر یہ عجیب دربار ہے کہ اس میں بادشاہ کی طرف سے جو خطاب دیا جاتا ہے وہ حقیقت کے عین مطابق ہوتا ہے اور پھر وہ خطاب چلتا چلا جاتا ہے دنیا لاکھ کوشش کرے زمانہ میں ہزاروں انقلاب آئیں اُس خطاب کو کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔

دربارِ خاص میں انعامات کا اعلان

اب میں اُن بعض انعامات کا ذکر کرتا ہوں جو اس الٰہی دربار میں خدا تعالیٰ نے اپنے گورنر جنرل کو عطا کئے اور جن کی نظیر دنیا کے درباروں میں اور کہیں نظر نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ''دربارِ خاص'' میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلایا اور اُن کے لئے اپنے خاص انعامات کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۲ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۳ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۴ [۱۰۱] یعنی اے ہمارے گورنر جنرل! ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے پس تُو اِس نعمتِ عظیمہ کی شکر گزاری کے طور پر اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جا اور قربانیوں پر زور دے یقیناً تیرا دشمن ہی ابتر رہے گا۔

کوثر کے معنے

کوثر کے معنے عربی زبان میں ہر قسم کی خیر اور برکت اور بھلائی کی کثرت کے ہوتے ہیں[۱۰۲] گویا کوئی خیر نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں ہوئی اور کوئی برکت نہیں جو آپ کو نہیں ملے گی اور پھر وہ خیر اور برکت اتنی کثرت کے ساتھ ملے گی کہ اس کثرت میں بھی دنیا کا کوئی انسان آپ کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

سورۂ کوثر کے نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی حالت

جس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس انعام کا اعلان کیا گیا آپؐ کی اور آپ کے ساتھیوں کی یہ حالت تھی کہ باہر نکل کر نماز بھی ادا نہیں کر سکتے تھے اور آپ کے پیغام کو ماننے والے صرف چند افراد تھے جو اُنگلیوں پر گِنے جا سکتے تھے۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اُس وقت تک مکہ کے کُل بیاسی آدمی آپ پر ایمان لائے تھے[۱۰۳] مگر یہ تو آخری دنوں کی بات ہے اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ صرف چند آدمی جن کی تعداد دس پندرہ سے زیادہ نہیں تھی آپ پر ایمان لائے۔ مکہ کی آبادی اُس وقت آٹھ دس ہزار کی تھی اور آٹھ دس ہزار کی آبادی میں سے ایک دو درجن کے قریب آدمیوں کا ساتھ ہونا اور سارے شہر کے لوگوں کا مخالف ہونا اور ایسا مخالف ہونا کہ ہر وقت ان کا مسلمانوں کی جان لینے کی فکر میں رہنا بتاتا ہے کہ مسلمانوں کی اُس وقت کیسی نازک حالت تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹنے کی کوشش

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ گو آپکو خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی مگر کبھی کبھی آپ محبتِ الٰہی کے جوش میں وہاں چلے جاتے اور نماز ادا فرماتے۔ ایک دفعہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ شہر کے غُنڈے اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے آپ کو پیٹنا شروع کر دیا اور پھر آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اُسے گھونٹنے لگے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اِس کی اطلاع ملی تو آپ دَوڑے دَوڑے وہاں آئے اور انہیں ہٹانا شروع کیا۔ اُس وقت وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پُونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ اے میری قوم! تم کو کیا ہو گیا کہ تم ایک ایسے شخص کو مارتے ہو جس کا قصور سوائے اِس کے اور کوئی نہیں کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔[۱۰۴] اِسی طرح آپ پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کے دُکھ دیئے جاتے۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ کا واقعہ

حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک بہت بڑے رئیس کی اولاد میں سے تھے۔ ہجرتِ اولیٰ کے وقت وہ ایبے سینیا کی طرف چلے گئے تھے مگر بعد میں کفار نے یہ خبر اُڑا دی کہ مکہ کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اس پر بعض لوگ حبشہ سے واپس آ گئے جن میں حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی شامل تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی تھی تو انہوں نے دوبارہ ایبے سینیا جانے کا ارادہ کیا۔ اس پر مکہ کا ایک رئیس جو اُن کے باپ کا گہرا

دوست تھا اُن سے ملا اور اُس نے کہا تم واپس نہ جاؤ میں تمہیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں۔ چنانچہ مروّجہ دستور کے مطابق وہ اُنہیں خانہ کعبہ میں لے گیا اور وہاں اُس نے اعلان کر دیا کہ عثمان بن مظعونؓ میری حفاظت میں ہے اب کوئی شخص اسے تکلیف نہ پہنچائے۔ اس اعلان کے نتیجہ میں عثمان بن مظعونؓ کھلے بندوں مکہ میں پھرنے لگے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ دوسرے مسلمانوں کو مارتے پیٹتے ہیں تو اُن کی غیرت جوش میں آئی اور وہ اُس رئیس کے پاس آکر کہنے لگے کہ میں آپ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا کیونکہ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوسکتا کہ میں تو آرام سے پھروں اور دوسرے مسلمان تکلیفیں اُٹھائیں۔ اُس نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور آخر اُس نے اپنی پناہ کے واپس لینے کا اعلان کر دیا۔

ایک دن عرب کے مشہور شاعر لبیدؔ جو بعد میں اسلام بھی لے آئے تھے مکہ میں آئے اور انہوں نے رؤساء کی محفل میں اپنے اشعار سنانے شروع کر دیئے۔ سناتے سناتے انہوں نے یہ مصرعہ پڑھا کہ:

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٗ

اے لوگو سنو کہ خدا کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ یہ مصرعہ سنتے ہی بول اُٹھے کہ خوب کہا تم نے بڑی سچّی بات کہی ہے۔ اب گو انہوں نے لبید کے مصرعہ کی داد دی تھی مگر لبید ایک نوجوان کی تعریف بھی برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اسے تعریض سمجھتے ہوئے شعر پڑھنے بند کر دیئے اور کہا اے مکہ والو! کیا تم میں اب کوئی شریف آدمی نہیں رہا کہ یہ کل کا بچہ مجھے داد دیتا ہے۔ اِس پر لوگوں نے معذرت کی اور حضرت عثمان بن مظعون کو ڈانٹا کہ خاموش رہو۔ اِس کے بعد لبید نے دوسرا مصرعہ پڑھا جو یہ تھا کہ:

وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٗ

یعنی ہر نعمت آخر تباہ ہونے والی ہے۔ حضرت عثمانؓ پھر بول اُٹھے کہ یہ بِالکل غلط ہے جنت کی نعمتیں کبھی تباہ نہیں ہونگی۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ لبید غصّہ میں آگیا اور انہوں نے کہا میری

ہتک کی گئی ہے اب میں اپنا کلام نہیں سناؤں گا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص اُٹھا اور اُس نے اِس زور سے اُن کی آنکھ پر مُکّہ مارا کہ ان کا ایک ڈیلا باہر نکل آیا۔ یہ دیکھ کر مکّہ کا وہی رئیس جس نے انہیں پناہ دی تھی حسرت کے ساتھ آگے بڑھا اور کہنے لگا کیا مَیں نہیں کہتا تھا کہ میری پناہ نہ چھوڑ!! وہ کہنے لگے تم تو یہ کہتے ہو خدا کی قسم! میری تو دوسری آنکھ بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلنے کے لئے تیار ہے۔[105]

نرینہ اولاد نہ ہونے پر دشمن کی طعنہ زنی

غرض یہ وہ حالت تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر گزر رہی تھی اور چونکہ آپ کے ہاں کوئی نرینہ اولاد بھی نہیں تھی اِس لئے دشمن اپنی نابینائی کی وجہ سے کہتا کہ یہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ''اونتر انکھترا'' (پنجابی) یعنی بےنسل ہے نہ روحانی لحاظ سے اس کی کوئی جمعیت ہے اور نہ جسمانی لحاظ سے اِس کی کوئی نرینہ اولاد ہے۔ ایسے حالات میں خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور اُس نے کہا اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تجھے خیر کثیر عطا کرنے والے ہیں اور تیرے ان مخالفوں کو جو آج تجھے مٹانے پر کمر بستہ ہیں ابتر بنانے والے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ خیرِ کثیر ملتی چلی گئی

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کلام پر جُوں جُوں دن گزرتے چلے گئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ خیر اور برکت ملتی چلی گئی اور آپؐ کے مخالفوں کے حصہ میں زیادہ سے زیادہ ناکامی اور نامرادی آتی گئی اور آخر وہ دن آیا کہ وہی شخص جسے اندھیری رات میں مکّہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا، جس کے قتل کے منصوبے کئے گئے تھے، جس کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا گیا تھا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوا اور اُس نے تمام مکّہ کے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے پوچھا کہ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ انہوں نے کہا ہم آپ سے اسی سلوک کی امید رکھتے ہیں جو یوسف نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا جاؤ مَیں نے

تم سب کو معاف کر دیا۔[106]

ابوسفیان کا اقرار کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہو گیا ہے

مکّہ کے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ اکیلا شخص کب تک اپنے مشن کو قائم رکھ سکتا ہے یہ آج نہیں تو کل تباہ ہو جائیگا مگر خدا اسے کوثر دینے کا وعدہ فرما چکا تھا۔ اُس نے آپؐ کے ماننے والوں میں اتنی کثرت پیدا کی کہ ابوسفیان نے جب فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر کو دیکھا تو بے اختیار وہ حضرت عباسؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا عباس! تمہارے بھائی کا بیٹا آج دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہو گیا ہے۔[107]

کفار کے بیٹے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آ گئے

پھر ان لوگوں کو اپنے بیٹوں پر بڑا ناز تھا، مگر خدائی نشان دیکھ کر وہی عاص بن وائل جو بڑے تکبّر سے اپنا تہہ بند لٹکائے پھرتا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہا کرتا تھا اُس کا اپنا بیٹا مسلمان ہو گیا، وہی ولید جو رات اور دن اسلام کے مٹانے پر کمر بستہ رہتا تھا اُس کا اپنا بیٹا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہو گیا، وہی ابوجہل جو تمام کفار کا لیڈر تھا اور جس کی زندگی کی ایک ایک گھڑی اسلام کی مخالفت میں گزری اُس کا اپنا بیٹا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد میں شامل ہو گیا۔ یہ ایک خطرناک قسم کی آگ تھی جو خدا نے اُن کے دلوں میں پیدا کر دی اور جس کے شُعلے اُنہیں ہر وقت جلا کر خاکستر بناتے رہتے تھے اور اُنہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اِس آگ کے بجھانے کا کیا انتظام کریں۔ وہ خود اسلام کے دشمن تھے مگر اُن کی اولادوں نے اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈالنا شروع کر دیا اور وہ اپنے باپوں اور بھائیوں کے خلاف تلواریں چلانے لگ گئے۔ یہ ایک بہت بڑا عذاب تھا جس میں وہ رات اور دن مبتلاء رہتے تھے کہ جس مذہب کو مِٹانے کے لئے اُنہوں نے اپنی عمریں صَرف کر دیں وہی مذہب اُن کے گھروں میں داخل ہو گیا اور اُس نے اُنہی کے بیٹوں کو اُس کا شکار بنا لیا۔

کون ابتر ثابت ہوا؟

جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکّہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو اُس وقت گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اُنہیں کچھ نہیں کہہ رہی تھی مگر مکّہ کی گلیوں کی وہ زمین جس پر اُن قدوسیوں کے قدم پڑ رہے تھے اُن دشمنوں کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی کہ اے ابوجہل! عتبہ، شیبہ اور ولید کہاں ہے؟ وہ تمہاری اولاد جس پر تم فخر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہا کرتے تھے وہ ابتر ہے یا آج تم ابتر ثابت ہو رہے ہو؟ تمہاری اولادوں نے جن پر تمہیں ناز تھا تمہیں چھوڑ دیا اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں چلی گئیں۔

محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آج بھی دنیا میں روحانی اولاد موجود ہے

اسی طرح آج تیرہ سَو برس گزر گئے مگر دنیا میں کوئی نہیں جو یہ کہہ سکے کہ میں ابوجہل کا بیٹا ہوں یا عتبہ اور شیبہ کا بیٹا ہوں مگر آج لاکھوں مسلمان یہ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں کیونکہ خدا نے یہ کہا تھا کہ اے محمدؐ رسول اللہ! ہم تجھے کوثر عطا کریں گے اور تیرے دشمن کو ابتر رکھیں گے۔

تمام الہامی کتب سے افضل الہامی کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی

پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں بھی کوثر عطا کیا کہ آپ کو وہ کتاب ملی جس کی خیر اور برکت کا مقابلہ دنیا کی کوئی کتاب نہیں کرسکتی۔ وہ تمام الہامی کتابوں میں سے ایک زندہ الہامی کتاب ہے۔ وہ علوم اور معارف میں ایک ناپیدا کِنار سمندر ہے۔ وہ دنیا کی تمام اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے والی کتاب ہے۔ دنیا کے علوم خواہ کتنے بھی ترقی کر جائیں، زمانہ خواہ کتنی کروٹیں بدل لے یہ کتاب قیامت تک اُن کے لئے ایک کامل راہنما کا کام دیتی چلی جائے گی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ خاتم النّبیّین اور آپ کی عالمگیر بعثت

پھر آپ کو درجہ ملا تو خاتم النّبیّین کا جس میں کوئی نبی بھی آپ کا شریک نہیں۔ پھر سب انبیاء ایک ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتے رہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ بنا کر بھیجا گیا اور آپ کی برکات کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا گیا کہ دنیا کی کوئی قوم آپ کی غلامی سے باہر نہ رہی۔ کرشن اور رام چندر کی تعلیم صرف ہندوستان کے لئے تھی، زرتشت کی تعلیم صرف ایران کے لئے تھی، حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت مسیحؑ تک تمام انبیاء کی تعلیم بنی اسرائیل کے لئے تھی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے ہر أَسْوَد وأَحْمَر کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ نے یہ اعلان کیا کہ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّۃً الْاَحْمَرَ وَالْاَسْوَدَ۔[108] وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے مجھے تمام عالَمِ انسانی کی طرف مبعوث فرمایا اور ہر أَسْوَد وأَحْمَر میرا مخاطب ہے۔ اب خواہ ایشیا کے رہنے والے ہوں یا افریقہ کے، یورپ کے رہنے والے ہوں یا جزائر کے، پہاڑوں میں رہنے والے ہوں یا میدانوں میں، گاؤں میں رہنے والے ہوں یا شہروں میں، سب پر آپ کی اطاعت فرض ہے اور کوئی شخص بھی آپ کی غلامی کا جُوا اُٹھائے بغیر روحانی عمارت کی اینٹ نہیں بن سکتا۔

ہر قسم کے خدّام کا عطا کیا جانا

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اِس لحاظ سے بھی خیرِ کثیر عطا کیا کہ اس نے ہر قسم کے انسان آپ کو عطا کئے۔ اگر جرنیلوں کی ضرورت تھی تو اس نے آپ کو ایسے جرنیل عطا کئے جن کے تدبّر کا آج یورپ تک معترف ہے، اگر مبلّغوں کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مبلّغ عطا فرمائے جو قرآن ہاتھ میں لے کر ساری دنیا میں نکل گئے اور انہوں نے ہزاروں لوگوں کو اسلام میں داخل کیا، اگر جاں نثار اور فدا کار غلاموں کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مخلص جاں نثار عطا فرمائے جنہوں نے بھیڑ بکریوں کی طرح خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے سر کٹا دیئے، اگر کسی جگہ عورتوں کی فدائیت کی ضرورت پیش آئی تو عورتیں

آگے آگئیں، اگر کسی جگہ نوجوانوں کا خون قوم کو درکار تھا تو نوجوان آگے نکل آئے، اگر قوم کی ترقی کے لئے عابد و زاہد لوگوں کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے بڑے شب بیدار اور عابد و زاہد نفوس عطا فرمائے غرض کونسی ضرورت تھی جو خدا تعالیٰ نے پوری نہ کی۔

اخلاص اور فدائیت میں صحابہؓ کی امتیازی شان

پھر اخلاص اور فدائیت کو لو تو اِس میں بھی جو برکت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو ملی وہ کسی اور نبی کے متبعین کو نہیں ملی۔ موسیٰ کے ساتھیوں نے ایک نہایت ہی نازک موقع پر یہ کہہ دیا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴿۲۵﴾ [۱۰۹] اے موسیٰ تُو اور تیرا رب جا کر لڑتے پھرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ جاں نثار عطا فرمائے جنہوں نے بڑی دلیری سے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو رَوندتا ہوا نہ گزرے۔[۱۱۰]

غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر خیر اور برکت کی کثرت عطا کی۔ اُس نے روحانی لحاظ سے ایک طرف سے آپ کو وہ شریعت عطا فرمائی جو قیامت تک منسوخ نہیں ہوسکتی اور دوسری طرف آپ کو وہ بلند مقام بخشا کہ اب قیامت تک کوئی شخص خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل نہیں کرسکتا جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں شامل نہ ہو۔ اور جسمانی لحاظ سے اُس نے آپ کو خدام کی اِتنی کثرت بخشی کہ سارا مکہ آپ کی زندگی میں آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوگیا۔

مال و دولت اور رُعب و دبدبہ

اِسی طرح مال و دولت کے لحاظ سے اِس قدر کثرت بخشی کہ قیصر و کسریٰ کے خزائن مسلمانوں میں تقسیم ہوئے، رُعب اور دبدبہ اِس قدر عطا فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سُنکر گھر بیٹھے دشمن کا دل لرز جاتا اور اُس کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا تھا۔ غرض ہر خیر

اور برکت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی اور اِس کثرت کے ساتھ دی گئی کہ اس کی مثال نہ موسٰیؑ کی زندگی میں مل سکتی ہے نہ عیسٰی کی زندگی میں مل سکتی ہے نہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کی زندگی میں مل سکتی ہے اَور نہ کسی اور نبی کی زندگی میں مل سکتی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی چار اغراض

پھر تفصیلی طور پر دیکھا جائے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی چار اغراض بتلائی گئی تھیں تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت اور تزکیہء نفوس چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۱۶۵﴾[۱۱] یعنی اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر یہ بڑا بھاری احسان کیا کہ اُس نے اُن میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے انہیں روشناس کرتا ہے اُن کا تزکیہء نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور یقیناً وہ اس سے پہلے ایک کُھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

ہر کمال میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منفرد ہونا

اس آیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار کام بتلائے گئے ہیں اور درحقیقت ہر نبی انہی چاروں امور کی سرانجام دہی کے لئے آیا کرتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ نے دنیا کے ہر نبی سے تلاوتِ آیات بھی زیادہ کی، تعلیمِ کتاب بھی زیادہ دی، تعلیمِ حکمت بھی زیادہ پیش کی اور تزکیہء نفوس بھی زیادہ کیا۔ گویا ہر کمال میں آپ کو کوثر عطا کیا گیا اور ہر خوبی میں آپ کو منفرد رکھا گیا۔

امورِ غیبیہ کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی

عربی زبان میں اٰیَة کے جہاں اَور بہت سے معنی ہیں وہاں اِس کے ایک معنی اس چیز کے بھی ہوتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی طرف راہنمائی کرے چنانچہ قرآن کریم میں نازل شدہ فقرات کو بھی اسی لئے آیات کہا

جاتا ہے کہ اس کا ہر فقرہ دوسرے فقرہ کے معانی کے لئے بطور دلیل ہوتا ہے جس کو مدِّ نظر رکھنے کے بغیر اس کا مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ پس **یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ** میں یہ بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کی ایسے امور کی طرف راہنمائی کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنی عقل کے زور سے معلوم کرنے سے قاصر تھے اور چونکہ امورِ غیبیہ ہی ایک ایسی چیز ہیں جن کو کوئی انسان اپنی عقل اور فکر کے ساتھ معلوم نہیں کر سکتا اس لئے تلاوتِ آیات کا کام اِسی صورت میں مکمل ہو سکتا تھا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو ایسی باتیں بتاتے جو اُن کے لئے امورِ غیبیہ پر ایمان لانے کی محرک ہوتیں اور انہیں آپ کی راہنمائی میں وہ روحانی دولت ملتی جو اس سے پہلے ان کے پاس نہیں تھی۔

ہستی باری تعالیٰ

اِس نقطۂ نگاہ سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امورِ غیبیہ میں سب سے پہلی اور اہم خبر خدا تعالیٰ کا وجود ہے کیونکہ وراء الورٰی ہستی ہے اور کوئی انسان اپنے علم اور اِدراک کے زور سے اُس تک نہیں پہنچ سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے وجود کو بنی نوع انسان کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ اس وراء الورٰی ہستی کی عظمت اور اس کی جبروت کا تصوّر بھی قائم رہا اور بنی نوع انسان کے قلوب میں یہ یقین بھی پیدا ہو گیا کہ ہمارا خدا اپنی مخلوق کو اعلیٰ درجہ کے مقامات پر پہنچانے کی خواہش رکھتا ہے اور وہ انہیں ہر وقت اپنے قُرب میں جگہ دینے کے لئے تیار ہے۔ اِس غرض کے لئے سب سے پہلی اور اہم خبر صفاتِ الٰہیہ ہیں کیونکہ غیر محدود ہونے کی وجہ سے وہ صرف اپنی صفات کے ذریعہ ہی پہچانا جا سکتا ہے۔ بیشک صفاتِ الٰہیہ پر اور مذاہب نے بھی روشنی ڈالی ہے مگر اوّل تو جس تفصیل کے ساتھ اسلام نے ان صفات کو بیان کیا ہے اس تفصیل کے ساتھ دنیا کے اور کسی مذہب نے صفاتِ الٰہیہ پر روشنی نہیں ڈالی یہاں تک کہ یہودیت بھی جو اسلام سے پہلے آنے والے مذاہب میں سے ایک بہت بڑا مذہب تھا اور جسے تورات جیسی کتاب دی گئی تھی اُس میں بھی بہت کم صفاتِ الٰہیہ کا بیان ہوا ہے۔

بائیبل میں خدا تعالیٰ کی صفات کی تنقیص

اور پھر ان مذاہب نے خدا تعالیٰ کی طرف کئی ایسے نقائص اور

عیوب بھی منسوب کر رکھے ہیں جن کی وجہ سے اُس کی صفات کی تنقیص ہوتی ہے مثلاً بائیبل میں ہی لکھا ہے کہ:

''چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔''[۱۱۲]

گویا خدا تعالیٰ چھ دن کام کرنے کی وجہ سے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ تھک گیا اور اُسے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ آرام کرے اور تازہ دم ہو جائے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ خدا تعالیٰ کے متعلق یہ تصور بالکل غلط ہے اس لئے کہ وہ کوئی مادی وجود نہیں جو کام کا بوجھ برداشت نہ کر سکے اور تھکان اور کوفت محسوس کرے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ[۱۱۳] یعنی زمین و آسمان کی پیدائش سے ہمیں کوئی تھکان محسوس نہیں ہوئی۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے کہ خدا تعالیٰ زمین و آسمان کی پیدائش سے تھک گیا اور ساتویں دن اُس نے آرام کی احتیاج محسوس کی۔

اِسی طرح مسیحیت نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر حملہ کیا اور مسیحؑ اور روح القدس کو بھی اُس کی الوہیت میں شریک قرار دے دیا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو تمام مادی قیدوں اور ظہوروں سے پاک قرار دیا۔ اور پھر آپ نے اس امر پر بھی زور دیا کہ انسان اگر خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے تو وہ خدا تعالیٰ کی محبت کو حاصل کر سکتا اور اس کے قُرب میں بڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں نے جِنّ و اِنس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا نقش اپنے دل پر پیدا کریں۔[۱۱۴]

اِسی طرح وہ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اے انسانو! اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تم کو اِس دنیا میں اپنا نمائندہ بنا کر کھڑا کیا ہے اگر تم میں سے کوئی شخص اس مقام کا انکار کرے گا تو اُس کا نتیجہ اُس کو بھُگتنا پڑے گا[۱۱۵] یعنی اس عزت کے مقام کو چھوڑ کر وہ خود ہی نقصان اُٹھائے گا خدا تعالیٰ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

اسی طرح ایک اور جگہ اس نے فرمایا ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں

ہم یقیناً انہیں اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے راستے بتا دیتے ہیں۔ [۱۱۶]

پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی عظمت اور اُس کے جاہ وجلال کو بھی قائم کیا اور بنی نوع انسان کو بھی اِس امر کا یقین دلایا کہ وہ خدا تعالیٰ کے مقرب بن سکتے ہیں۔

ملائکۃ اللہ

اسی طرح ملائکہ بھی ایک مخفی وجود ہیں جن کی حقیقت کا علم بغیر کسی ایسے انسان کی راہنمائی کے حاصل نہیں ہوسکتا جسے خدا خود اپنے غیب سے حصّہ دے اور بتائے کہ ملائکہ کی کیا حقیقت ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد چونکہ اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ آیات کا کام کیا تھا اس لئے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے ماتحت ان کے متعلق بھی بنی نوع انسان کی صحیح راہنمائی فرمائی اور بتایا کہ ملائکہ نظامِ عالَم کے روحانی اور جسمانی سلسلہ کی اُسی طرح ایک اہم کڑی ہیں جس طرح دوسرے نظر آنے والے اسباب مادی دنیا میں مختلف کاموں کی کڑیاں ہیں۔ وہ صرف خدائی دربار کی رونق کا سامان نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے تکوینی احکام کی پہلی کڑی ہیں اور ان کے بغیر اس کائنات کا وجود ادھورا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اِسی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کچھ تو وہ ملائکہ ہیں جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو عرش کے اِردگرد رہتے ہیں [۱۱۷] یعنی ایک تو وہ فرشتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی صفات کو ظاہر کرنے والے ہیں اور جن کے ذریعہ دنیا میں احکامِ الٰہیہ کا اجراء ہوتا ہے اور ایک وہ ہیں جو اُن احکام کو نچلے طبقہ تک لے جانے والے ہیں پس ملائکہ کا وجود اس عالَم کا ایک اہم ضروری حصّہ ہے۔

رسالت اور کلامِ الٰہی کی ضرورت

آپؐ نے رسالت اور کلامِ الٰہی کی ضرورت کو بھی واضح کیا اور بتایا کہ جس طرح مادی دنیا میں خدا تعالیٰ نے صرف آنکھ پیدا نہیں کی بلکہ لاکھوں میل کے فاصلہ پر ایک سورج بھی پیدا کر دیا ہے تا کہ آنکھ اس کی روشنی سے فائدہ اُٹھائے اِسی طرح روحانی عالَم میں بھی خدا تعالیٰ نے سورج اور چاند اور ستارے بنائے ہیں۔ جو شخص روحانی دنیا

کے سورج یا روحانی دنیا کے چاند یا روحانی دنیا کے ستاروں کی ضرورت کا انکار کرتا ہے وہ قانونِ قدرت سے اپنی آنکھیں بند کرتا اور حقائق سے رُوگردانی اختیار کرتا ہے چنانچہ اسلام نے اِسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ ہم تمہارے سامنے اس آسمان کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو مختلف بروج والا ہے [۱۱۸] یعنی جس طرح تمہیں اِس مادی دنیا کے آسمان میں سورج اور چاند اور ستارے دکھائی دیتے ہیں اِسی طرح خدا تعالیٰ نے روحانی عالَم میں بھی ظلمتوں کو دُور کرنے کے لئے سورج اور چاند اور ستارے بنائے ہیں جو لوگوں کو اپنے نور سے منور کرتے رہتے ہیں۔

بعث بعد الموت

آپ نے اسی سلسلہ میں بعث بعد المُوت پر بھی روشنی ڈالی کیونکہ اس کے متعلق بھی کوئی انسان اپنی ذاتی کدّ وکاوش سے معلومات حاصل نہیں کرسکتا تھا آپ نے ایک طرف تو جزاء وسزا کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور دوسری طرف یہ بتایا کہ اس جزاء کا مخفی رکھا جانا بھی ضروری ہے ورنہ انسانی اعمال غیر اختیاری ہو جائیں اور جزاء ایک بے معنی لفظ بن کر رہ جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُس کے لئے عالمِ آخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان مخفی رکھا گیا ہے کیونکہ یہ انعام تمہارے اعمال کی جزاء میں ملنے والا ہے [۱۱۹] اگر اس کو ظاہر کر دیا جائے تو حقیقت کے منکشف ہونے پر ایمان لانا کوئی خوبی نہ رہے اور انسان کسی جزاء کا مستحق نہ ہو۔

آپؐ نے اس امر کی تصریح فرمائی کہ عالمِ آخرت درحقیقت اِسی دنیا کا ایک تسلسل ہے جس میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق مادیت کے بوجھ سے آزاد ہو کر انسانی روح اُس راستہ پر گامزن ہو جاتی ہے جو اُس نے خود اپنی دُنیوی زندگی میں اختیار کیا ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اِس دنیا میں روحانی لحاظ سے نابینائی رکھتا ہوگا وہ عالمِ آخرت میں بھی اس نابینائی کو لے کر اُٹھے گا اور خدائی قُرب کے دروازے اُس پر نہیں کھلیں گے۔ [۱۲۰] غرض ہر وہ مخفی مسئلہ جس پر مذہب اور روحانیت کی بنیاد تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھول کر بیان کیا کہ انسانی عقول تسلّی پا گئیں

اور ان کا رسمی ایمان مشاہدہ اور بصیرت کا رنگ اختیار کر گیا۔

شریعت لعنت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا بڑا بھاری فضل ہے

آپؐ کا دوسرا اہم کام تعلیم کتاب تھا اس کام کو بھی آپ نے ایسے رنگ میں پورا کیا کہ اس کی مثال اور کسی وجود میں نہیں ملتی آپؐ کی بعثت سے پہلے دنیا میں بعض ایسے مذاہب تھے جو اپنی نادانی سے شریعت کو لعنت قرار دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ ایک ایسا بوجھ ہے جو انسان کی کمر کو توڑ دینے والا ہے آپؐ نے بتایا کہ یہ نظریہ صحیح نہیں، شریعت اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا بھاری فضل ہے کیونکہ انسان جب اس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرے تو وہ اپنی عقل سے خدا تعالیٰ کی مرضی کو کس طرح معلوم کر سکتا ہے۔ یہ مرحلہ تو اسی صورت میں طے ہو سکتا ہے جب خدا تعالیٰ خود بتائے کہ میری رضا کس امر میں ہے اور شریعت اِس چیز کا نام ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی کی راہوں کو خدا تعالیٰ کی زبان سے ہی معلوم کیا جائے۔ پس شریعت خدا تعالیٰ کی ایک بڑی بھاری رحمت ہے اس وجہ سے قرآن کریم کو مختلف مقامات میں رحمت قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن بنی نوع انسان کو تکلیف میں ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ آسانیاں پیدا کرنے کے لئے آیا ہے۔[۱۲۱]

شریعت کا فائدہ

پھر آپ نے اِس امر کی بھی وضاحت فرمائی کہ شریعت اس لئے نازل نہیں ہوتی کہ اُس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی شان بڑھتی ہے بلکہ اِس لئے نازل کی جاتی ہے کہ بنی نوع انسان اُس کے احکام پر عمل کر کے ترقی کریں کیونکہ اس کا ہر حکم انفرادی اور قومی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، خدا تعالیٰ کو اُن احکام پر عمل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اسی نکتہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم میں سے جو شخص نیکی کرے گا وہ اپنے نفس کے لئے کریگا اور جو شخص بدی کا ارتکاب کرے گا اُس کا وبال بھی اس کی جان پر پڑے گا، خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔[۱۲۲]

قرآن کریم کی کامل تعلیم

پھر تعلیم کتاب کے لحاظ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تعلیم پیش کی جو اپنے ہر پہلو کے لحاظ سے کامل ہے آپ نے بتایا کہ انسان پر اُس کے ماں باپ کے کیا حقوق ہیں؟ بھائی بہنوں کے کیا حقوق ہیں؟ بیوی کے خاوند پر اور خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ ہمسائیوں کے کیا حقوق ہیں؟ یتامیٰ و مساکین کے کیا حقوق ہیں؟ بیواؤں کے کیا حقوق ہیں؟ دوستوں کے کیا حقوق ہیں؟ اِسی طرح آپ نے سیاستِ مُلکی پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ سرحدوں کی حفاظت کیا کرو، لڑائیوں کے متعلق متعدد احکام دیئے، معاہدات کی پابندی کی تلقین کی، اقوامِ عالَم کے جھگڑوں کے تصفیہ کے قواعد بیان کئے غرض انفرادی مسائل یا قومی زندگی میں جن مشکلات کا سامنا ہوسکتا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر روشنی ڈالی اور ان کا کامیاب حل بتایا۔ پھر اس کیساتھ ہی آپ نے اس امر کی صراحت فرمادی کہ گو اس کتاب میں وہ تمام ضروری امور بیان کردیئے گئے ہیں جن کا مذہبی یا روحانی یا اخلاقی ترقی کیساتھ تعلق ہے مگر انسانی دماغ کی ترقی کے لئے اجتہاد اور غور اور فکر کا بھی سلسلہ جاری رکھا گیا ہے تا کہ انسانی دماغ کُند ہو کر نہ رہ جائے اور وہ اندھی تقلید کا شکار نہ ہو جائے۔

تعلیمِ حکمت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا عظیم الشان کام تعلیمِ حکمت تھا اِس لحاظ سے آپ نے ایک بے مثال معلّم کے فرائض سرانجام دیئے۔ پہلی تمام کتب کو دیکھ لو وہ صرف اتنا کہتی ہیں کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ ایسا کیوں کرو اور کیوں نہ کرو۔ وہ شراب اور جُوئے سے روکتا ہے تو اس کی حکمت بھی بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ ان چیزوں کے نقصانات ان کے فوائد سے زیادہ ہیں [۱۲۳] وہ نماز اور روزے کا حکم دیتا ہے تو ان کے فوائد بھی بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ نماز تمام فحش اور ناپسندیدہ کاموں سے انسان کو بچاتی ہے [۱۲۴] اور روزوں کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ [۱۲۵]

غرض اسلام احکام کے ساتھ حکمتیں بھی بیان کرتا ہے اور یہ اسلام کی اتنی بڑی

فضیلت ہے جس کا مقابلہ دنیا کا اور کوئی مذہب نہیں کرسکتا۔ آپؐ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ حکیم بھی ہے وہ کوئی حکم بغیر کسی حکمت کے نہیں دیتا پس خدائی تعلیم کے یہ معنے نہیں کہ اُس کے احکام حکمتوں سے خالی ہوں اور محض جبر کے طور پر کچھ باتیں منوانے کی کوشش کی گئی ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف کسی بات کا منسوب ہونا تقاضا کرتا ہے کہ وہ بات لازمی طور پر مختلف قسم کی حکمتوں سے پُر ہو، تاکہ انسانی دل انقباض محسوس نہ کرے بلکہ وہ خوش ہو کہ جس حکم پر میں عمل کررہا ہوں اُس میں میرا بھی فائدہ ہے اور دوسرے بنی نوع انسان کا بھی فائدہ ہے۔

تزکیۂ نفوس

چوتھا اور اہم کام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا تھا وہ تزکیۂ نفوس ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں ایسی پاکیزگی پیدا کرنا کہ وہ خدا تعالیٰ کے قریب ہو جائیں اور اُس کی قدرتوں کا جلوہ گاہ بن جائیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو بھی ایسے احسن طریق سے پورا کیا ہے کہ دوست ہی نہیں دشمن بھی اس بات کے معترف ہیں کہ آپ نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

آپؐ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں اُس زمانہ میں مذہب ہی نہیں انسانیت بھی مرچکی تھی اور شرافت دنیا سے مفقود ہوچکی تھی۔ ہر قسم کا فسق و فجور لوگوں میں پایا جاتا تھا اور ہر قسم کی نیکی عنقا تھی یہاں تک کہ بدی کا احساس بھی لوگوں کے قلوب سے مٹ چکا تھا اور وہ ندامت اور شرمندگی محسوس کرنے کی بجائے بدیوں کے ارتکاب پر فخر محسوس کرتے تھے۔ ایسے خطرناک زمانہ میں آپ نے تزکیۂ نفوس کا کام شروع کیا اور ہر قسم کی روکوں اور انتہائی مظالم کے باوجود اس کام کو جاری رکھا یہاں تک کہ وہ دن آ گیا کہ صدیوں کے مُردوں نے اپنے اندر زندگی کی روح محسوس کی، قبروں میں دبے پڑے لوگ باہر نکل آئے، اندھوں نے بینائی حاصل کی، لُولے اور لنگڑے چلنے لگے، کمزوروں نے اپنے اندر طاقت کی ایک لہر دَوڑتی ہوئی پائی، بیماروں نے صحت کے آثار محسوس کئے اور جہالت کی جگہ علم نے، جمود کی جگہ سعیِ عمل نے، شیطنت کی جگہ روحانیت نے اور بدی کی جگہ نیکی نے لے لی۔ برسوں کے مسخ شدہ انسان آپ کے فیضِ صُحبت سے ایسے پاک ہوئے کہ اُن کی کایا پلٹ گئی، وہ خدائے واحد کے آستانہ کی طرف کھینچے گئے اور دنیا کی ہدایت کے لئے

ایک ایسا مینار بن گئے کہ آج بھی اُن کی روشنی نیند کے ماتوں کو بیدار کرنے اور انہیں چاق و چوبند بنانے کے کام آ رہی ہے۔

غرض اِس روحانی گورنر جنرل کو خدائے واحد کی طرف سے جس انعام کا وعدہ دیا گیا تھا وہ وعدہ بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے کَوْثَرْ عطا کیا اور ہر رنگ میں اتنی برکات اور انعامات کے ساتھ نوازا کہ انسان کے لئے اُن کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

ایک کثیر الخیر روحانی فرزند کے پیدا ہونے کی پیشگوئی

پھر کَوْثَرْ کے ایک معنے اَلرَّجُلُ کَثِیْرُ الْعَطَاءِ وَالْخَیْرِ [۱۲۶] کے بھی ہیں یعنی ایسا انسان جو بڑا سخی ہو اور دنیا میں کثرت سے نیکی پھیلانے والا ہو۔ اِس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں یہ بیان فرمایا تھا کہ اے محمدؐ رسول اللہ! ہم اب بھی تجھے ہر قسم کی نعمتوں کی کثرت دینگے اور آئندہ زمانہ میں بھی تجھے ایک بہت بڑا روحانی فرزند عطا کریں گے جو کثیر الخیر ہوگا اور کثرت سے قرآن کریم کے علوم اور اس کے معارف دنیا میں پھیلائے گا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مفہوم میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ یُفِیْضُ الْمَالَ۔ [۱۲۷] یعنی آنے والا مسیح کثرت کے ساتھ لوگوں میں روحانی دولت تقسیم کریگا مگر اس کے ساتھ ہی قرآن کریم نے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ میں اِس طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ آنے والا مسیح اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد ہوگا کیونکہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ مسیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے گا اور اس کا وجود ثابت کر دیگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتر نہیں، پس وہ آپؐ کا ہی روحانی بیٹا ہوگا، باہر کا کوئی آدمی نہیں ہوگا۔

تمام مخالف اقوام ابتر ہو کر رہ گئیں

اِس جگہ پہلے معنوں کے لحاظ سے دشمنوں سے مراد ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ ہیں، مگر دوسرے معنوں کے لحاظ سے شَانِئَكَ سے وہ تمام قومیں مراد ہیں جو آج اسلام پر حملہ کر رہی ہیں چنانچہ دیکھ لو جب اسلام ضعیف ہو گیا، مسلمانوں کی طاقتیں کمزور ہو گئیں اور عیسائی مصنّفوں نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ اب اسلام ترقی نہیں کر سکتا اور خود

مسلمان مصنّفین نے بھی دشمن کے مقابلہ میں معذرتیں شروع کر دیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپؑ نے دنیا کو چیلنج کیا کہ مَیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی بیٹا ہوں اور مَیں اس بات کا ایک زندہ ثبوت ہوں کہ آج محمدی چشمہ کے سِوا باقی تمام چشمے سُوکھ گئے ہیں اور مَیں اس چشمہ کا پانی پی کر زندہ ہؤا ہوں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم بھی کسی زندہ مذہب کے پیرو ہو تو تم میرے سامنے وہ زندہ شخص پیش کرو جس پر خدا تعالیٰ کا تازہ کلام اُترتا ہو۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ اس چیلنج کے مقابلہ میں دنیا کی ساری قومیں ابتر ہو کر رہ گئیں اور وہ اسلام کے پہلوان کے مقابلہ میں اپنا کوئی پہلوان پیش نہ کر سکیں۔ ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر نہ ہندو کوئی روحانی بیٹا پیش کر سکے ہیں نہ عیسائی کوئی روحانی بیٹا پیش کر سکے ہیں نہ یہودی کوئی روحانی بیٹا پیش کر سکے ہیں، نہ بدھ یا کنفیوشس مذہب کے پیرو کوئی روحانی بیٹا پیش کر سکے ہیں، نہ یورپ کا فلسفہ کوئی بیٹا پیش کر سکا ہے۔ ساٹھ سال سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی بیٹے کا چیلنج موجود ہے کہ اگر تمہارے اندر کوئی نور اور صداقت ہے تو تم میرے مقابلہ میں وہ شخص پیش کرو جس نے تمہارے مذہب پر چل کر خدا تعالیٰ کے مکالمات کا شرف حاصل کیا ہو اور اس کی تازہ وحی اور نشانات کا مورد ہؤا ہو مگر کوئی مذہب اپنا روحانی بیٹا پیش نہیں کر سکا۔

پس جس طرح آج سے تیرہ سَو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام کو پورا کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی نعماء سے حصّہ عطا فرمایا اِسی طرح اُس نے تیرہ سَو سال کے بعد ایک بار پھر دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی صاحبِ اولاد ہیں اور آپؐ کے دشمن ہی ابتر ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود کی بشارت

پھر اسی دربارِ خاص میں ایک اور عظیم الشان انعام بھی اس خدائی گورنر جنرل کو عطا کیا گیا اور کہا گیا کہ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا[۸۰] [۱۲۸] یعنی اے محمد رسول اللہ! عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ہر

دوست اور دشمن تیری تعریف میں رطب اللّسان ہوگا اور ہر مقام پر تیرے بلند اخلاق اور اعلیٰ درجہ کے کردار کا چرچا ہوگا۔ اِس انعام کا اعلان بھی ایسی حالت میں کیا گیا جب دنیا اپنی نابینائی کی وجہ سے اس خدائی گورنر جنرل کا حُسن دیکھنے سے عاری تھی اور وہ اپنی مخالفت کے جوش میں اسے محمد کہنے کی بجائے مذمّم کہہ کر پُکارا کرتی تھی مگرابھی ایسی مخالفت پر کچھ زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا تھا کہ اُس کا روحانی حُسن ظاہر ہونا شروع ہوا اور لوگوں کو محسوس ہوا کہ انہوں نے سونے کو پیتل اور ہیرے کو کوئلہ قرار دیکر ہمالیہ سے بھی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

ہر وصف میں یکتا اور بے نظیر نبی

انہوں نے تعصّب کی پٹی اپنی آنکھوں سے اُتار کر اس کے اخلاقِ فاضلہ کو دیکھا تو انہیں بے مثال پایا اور اس کے زندگی بخش کلام کو سُنا تو اُسے تمام کلاموں سے افضل پایا، اس کے علم کو دیکھا تو دنیا کے بڑے بڑے عالموں کو اس کے سامنے جاہل پایا، اس کی معرفت کو دیکھا تو بڑے بڑے عارفین کو اُس کے آگے زانوئے تلمّذ تہہ کرتے دیکھا، اس کی محبت اور تعلق بِاللہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا ویسا عاشق اور سچا عبادت گزار انہیں ساری دنیا میں نظر نہ آیا، انہوں نے اس کے دلائل وبیّنات کا جائزہ لیا تو اُنکا ردّ کرنے کی دُنیا کے کسی مذہب میں طاقت نہ پائی، اس کی دعاؤں کی قبولیت کو دیکھا تو انہیں بے نظیر پایا، اس کے فیوض وبرکات اور اس کی تعلیمات کا مشاہدہ کیا تو دنیا میں اُن کا کوئی ثانی نہ دیکھا، اس کی پیشگوئیوں پر انہوں نے نظر دَوڑائی تو انہیں آپ کی صداقت اور راستبازی کا ایک بڑا نشان دیکھا۔ غرض جس پہلو سے بھی انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اُسے مجسمہء حُسن واحسان پایا اور وہ آپ کے ایسے والہ وشیدا ہوئے کہ تمام دُنیوی علائق کو توڑ کر وہ آپ سے ایسے وابستہ ہوگئے اور اس عہدِ وفا کو انہوں نے مرتے دم تک اس خوبی سے نباہا کہ پہلی امتیں اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

زبانوں پر حمد کے ترانے

یہی وہ چیز تھی جس کی خدا تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ میں خبر دی گئی تھی کہ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝۸۰ یعنی اے محمد ؐرسول اللہ! آج لوگ تیرا حُسن دیکھنے سے قاصر ہیں وہ تجھے ایسی گٹھلی سمجھتے ہیں جو پاؤں تلے رَوندی جائیگی، ایک ایسا بیج خیال کرتے ہیں جسے پرندے اُچک کر لے جائیں گے مگر ہم نے تیرے اندر ایسی خوبیاں ودیعت کر دی ہیں کہ جُوں جُوں اُن خوبیوں کا ظہور ہوتا جائے گا تیری حمد کے ترانے لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوتے جائیں گے اور مذمّم کہنے والے تجھ پر درود اور سلام بھیجیں گے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے وہ تمام مسائل جن پر یورپ کے مدبّرین اور بڑے بڑے فلاسفر بھی اعتراض کیا کرتے تھے آج دنیا اُن کی معقولیت کی قائل ہو رہی ہے اور وہ تسلیم کرتی ہے کہ دنیا کی مشکلات کا صحیح حل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیم میں ہی ہے۔

اسلامی تعلیم کی برتری کا اعتراف

ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب توحید کے اعلان پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو انتہائی مصائب کا نشانہ بنایا گیا مگر آج ساری دنیا خدائے واحد کے آستانہ پر سر جُھکائے ہوئے ہے بلکہ وہ لوگ جو مذہباً تثلیث کے قائل ہیں یا مذہباً سینکڑوں دیوتاؤں کو تسلیم کرتے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ خدا تو ایک ہی ہے باقی سب اُس کے ظہور ہیں۔ پھر شراب کو اچھا سمجھا جاتا تھا، اسلام کے مسئلہ طلاق پر اعتراض کیا جاتا تھا، تعددِ ازدواج کو عورتوں کے لئے شدید ظلم قرار دیا جاتا تھا، سُود کو تجارت کا ایک لازمی جُزو سمجھتے ہوئے بڑا مفید خیال کیا جاتا تھا، پردہ کو بُرا قرار دیا جاتا تھا، ورثہ کے مسائل کو درست نہیں سمجھا جاتا تھا مگر آج دنیا ٹھوکریں کھا کر اس تعلیم کی طرف آ رہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی کیونکہ خدا نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ وہ آپ کو مقامِ محمود عطا کریگا اور دنیا آپؐ کے اخلاق اور آپ کی تعلیم کی برتری کی وجہ سے اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ کی تعریف کریگی۔

دشمنوں کے منہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف

حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام فضائلِ حَسنہ سے اس طرح متّصف کر کے مبعوث فرمایا

ہے کہ کوئی خوبی نہیں جو آپؐ میں نہ پائی جاتی ہو اور کوئی کمال نہیں جو آپ کے اندر نہ دکھائی دیتا ہو اور پھر ہر کمال اپنے اپنے دائرہ میں ایسی امتیازی شان کے ساتھ آپؐ کے اندر پایا جاتا ہے کہ دوست تو الگ رہے، دشمن بھی آپؐ کی تعریف کرنے پر مجبور ہیں اور وہ آپؐ کے اخلاق کی بلندی اور آپؐ کے کردار کی پاکیزگی کے معترف ہیں۔

سر ولیم میور کا اقرار کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی دنیا پیدا کی ہے

سر ولیم میور اسلام کا ایک شدید ترین دشمن ہے مگر اس نے بھی جب اُس انقلاب پر نگاہ دَوڑائی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی سرزمین میں پیدا کیا تو وہ بھی یہ الفاظ لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ:

''یہ کہنا کہ اسلام کی صورت عرب کے حالات کا ایک لازمی نتیجہ تھی ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہنا کہ ریشم کے باریک تاگوں میں سے آپ ہی ایک عالیشان کپڑا تیار ہو گیا ہے یا یہ کہنا کہ جنگل کی بے تراشی لکڑیوں سے ایک شاندار جہاز تیار ہو گیا ہے یا پھر یہ کہنا کہ کُھردری چٹان کے پتھروں میں سے ایک خوبصورت محل تیار ہو گیا ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ابتدائی عقائد پر پختہ رہتے ہوئے عیسائیت اور یہودیت کی سچائی کی راہنمائی کو قبول کرتے چلے جاتے اور اپنے متبعین کو اِن دونوں مذاہب کی سادہ تعلیم پر کاربند رہنے کا حکم دیتے تو دنیا میں شاید ایک ولی محمد یا ممکن ہے کہ ایک شہید محمد پیدا ہو جاتا جو عرب کے گرجا کی بنیاد رکھنے والا قرار پاتا، لیکن جہاں تک انسانی عقل کام دیتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں آپ کی تعلیم عرب کے دل کی گہرائیوں میں تلاطم پیدا نہ کر سکتی اور سارا عرب تو الگ رہا اس کا کوئی معقول حصّہ بھی آپ کے دین میں داخل نہ ہوتا، لیکن باوجود ان تمام باتوں کے آپؐ نے اپنے انتہائی کمال کے ساتھ ایک ایسی کَل ایجاد کی

کہ جسکی موقع کے مناسب ڈھل جانیوالی قوت کے ساتھ آپ نے آہستہ آہستہ عرب قوم کی پراگندہ اور شکستہ چٹانوں کو ایک متناسب محل کی شکل میں بدل دیا اور ایک ایسی قوم بنا دیا جس کے خون میں زندگی اور طاقت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ ایک عیسائی کو وہ عیسائی نظر آتے تھے، ایک یہودی کی نگاہ میں وہ ایک یہودی تھے، ایک مکّہ کے بُت پرست کی آنکھ میں وہ کعبہ کے اصلاح یافتہ عبادت گزار تھے اور اس طرح ایک لاثانی ہنر اور ایک بے مثال دماغی قابلیّت کے ساتھ انہوں نے سارے عرب کو خواہ کوئی بُت پرست تھا، یہودی تھا کہ عیسائی تھا مجبور کر دیا کہ وہ ان کے قدموں کے پیچھے ایک سچے مطیع کے طور پر جس کے دل سے ہر قسم کی مخالفت کا خیال نکل چکا ہو چل پڑے۔ یہ فعل اُس صنّاع کا ہوتا ہے جو اپنا مصالح آپ تیار کرتا ہے اور یہاں اس مصالح کی مثال چسپاں نہیں ہوتی جو کہ آپ ہی آپ بن جاتا ہے اور اس مصالح کے ساتھ تو اس کو بالکل ہی کوئی مشابہت نہیں جو اپنے صنّاع کو خود تیار کرتا ہے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات تھی جس نے اسلام بنایا یہ اسلام نہیں تھا اور نہ کوئی اور پہلے سے موجود اسلامی روح تھی جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بنایا۔" ۱۲۹ ؎

سر ولیم میور چونکہ اسلام کا شدید مخالف تھا اس لئے گو اُس نے یہ کہا کہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیار کردہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس صداقت کا بھی اُس نے کھلے بندوں اقرار کیا کہ دنیا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہیں کیا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی دنیا پیدا کی ہے اور یہ کام یقیناً خدا تعالیٰ کے فرستادوں کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔

پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے وہ مقامِ محمود عطا کیا کہ آپ ؐ کا حُسن کبھی دشمن کی آنکھوں میں بھی عرفان کی ایک جھلک پیدا کر دیتا ہے اور وہ بھی آپ کی ستائش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اخلاقِ فاضلہ کے لحاظ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مقام

پھر اخلاقِ فاضلہ کو لو تو کوئی خُلق نہیں جس میں آپ نے دنیا کے لئے ایک بے مثال نمونہ نہ چھوڑا ہو اور ہر شخص آپ کے اُن اخلاق کو دیکھ کر آپ کی تعریف کرنے پر مجبور نہ ہو۔ مثال کے طور پر بہادری کو لے لو، استقلال کو لے لو، سخاوت کو لے لو، حیا کو لے لو، انصاف کو لے لو، رحم کو لے لو، دوستوں اور دشمنوں سے آپؐ کے معاملات کو دیکھ لو، جنگ میں آپ کی ہوشیاری کو دیکھ لو، عورتوں اور بچوں سے معاملات کو لے لو، آپؐ کے تنظیمی کارناموں پر نظر ڈالو، آپ کی جرنیلی شان کو ملاحظہ کرو، تمہیں دکھائی دیگا کہ ہر پہلو کے لحاظ سے آپ کو مقامِ محمود حاصل ہے اور ہر معاملہ میں دنیا آپؐ کی اقتداء کرنے پر مجبور ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری

آپ کی بہادری کی یہ کیفیت تھی کہ مدینہ میں ایک دفعہ باہر جنگل کی طرف سے شور کی آواز آئی، اُن دنوں یہ خبریں مشہور ہو رہی تھیں کہ روما کی حکومت مدینہ پر حملہ کرنیوالی ہے، اس شور کی آواز پر تمام مسلمانوں میں گھبراہٹ پیدا ہوگئی اور وہ اس ارادہ کے ساتھ مسجد میں جمع ہوئے کہ مشورہ کے بعد کچھ لوگوں کو باہر بھجوا دیا جائے جو دیکھیں کہ یہ کیسا شور ہے مگر ابھی وہ جمع ہی ہو رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے باہر سے تشریف لا رہے ہیں، آپ نے آتے ہی فرمایا مَیں شور کی آواز سنکر فوراً باہر چلا گیا تھا اور مَیں نے چکر لگا کر دیکھ لیا ہے خطرہ کی کوئی بات نہیں، اطمینان سے اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔[۱۳۰]

صبر و استقلال

صبر و استقلال آپ کے اندر اِس قدر پایا جاتا تھا کہ مکّی زندگی میں کفار کی طرف سے آپ کو سخت سے سخت تکالیف دی گئیں، آپ کو بُرا بھلا کہا گیا، آپؐ کو شعبِ ابی طالب میں ایک لمبے عرصہ تک محصور رکھا گیا، آپؐ کا مقاطعہ کیا گیا، آپؐ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اِسقدر گھونٹا گیا کہ آپؐ کی آنکھیں باہر نکل آئیں، آپ پر پتھروں کی اسقدر بوچھاڑ کی گئی کہ طائف سے آتے وقت

آپؐ سر سے پاؤں تک لہولہان ہو گئے ۱۳۱؎ مگر ان تمام تکالیف کے باوجود آپؐ جس پیغام کو لیکر کھڑے ہوئے تھے اُسے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے اور جاگتے آپؐ نے لوگوں تک پہنچایا اور ایک لحہ کے لئے بھی آپؐ کے پائے ثبات میں جُنبش نہیں آئی۔

سخاوت

سخاوت آپؐ کے اندر اس قدر پائی جاتی تھی کہ اگر آپؐ سے کوئی چیز مانگی جاتی اور وہ آپؐ کے پاس موجود ہوتی تو آپؐ اس کے دینے میں کبھی دریغ نہ فرماتے اور یہ سخاوت عمر بھر آپؐ کا معمول رہی مگر صحابہؓ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کے ایام آتے تو اُن دنوں آپؐ کی سخاوت کا دائرہ غیر معمولی طور پر وسعت اختیار کر لیتا، ۱۳۲؎ اِسی سخاوت کا یہ نتیجہ تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپؐ کے گھر میں کوئی درہم اور دینار موجود نہیں تھا حالانکہ آپؐ اُس وقت عرب کے بادشاہ بن چکے تھے۔

رحم دلی

حیا آپؐ کے اندر اسقدر پایا جاتا تھا کہ صحابہؓ کہتے ہیں آپؐ ایک کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ ۱۳۳؎ رحم آپؐ کے اندر اس قدر پایا جاتا تھا کہ آپؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اُس پر رحم نہیں کیا جاتا ۱۳۴؎ آپؐ کا ایک نواسہ ایک دفعہ بیمار ہوا اور اُس کی حالت نازک ہو گئی۔ آپؐ کی بیٹی نے آپؐ کی طرف پیغام بھیجا، آپؐ تشریف لائے اور بچے کو دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ایک صحابی کہنے لگے یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپؐ بھی روتے ہیں آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت دل نہیں بنایا۔ ۱۳۵؎

عدل و انصاف

انصاف آپؐ کے اندر اس قدر پایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ کسی بڑے خاندان کی عورت نے چوری کی اور وہ پکڑی گئی اس پر بعض لوگوں نے چاہا کہ اسکے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی جائے کہ اسے کوئی سزا نہ دی جائے کیونکہ یہ بڑے خاندان کی عورت ہے اس غرض کے لئے انہوں نے حضرت اسامہؓ کو تیار کیا۔ اسامہؓ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے متعلق سفارش کی تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی اس قسم کا جُرم کرے تو میں اُسکے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ ۱۳۶؎

بدر کی جنگ میں جن کفار کو مسلمانوں نے قید کر لیا تھا اُن میں حضرت عباس بھی شامل تھے اور چونکہ وہ ناز و نعمت میں پلے ہوئے تھے اس لئے جب انہیں رسیوں سے جکڑا گیا تو انہوں نے شدّتِ تکلیف کی وجہ سے کراہنا شروع کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں ان کے کراہنے کی آواز پہنچتی تو آپ بے چینی میں بار بار کروٹیں بدلتے مگر زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ سمجھ گئے کہ اِس کی وجہ حضرت عباس کا کراہنا ہے وہ چُپکے سے اُٹھے اور انہوں نے حضرت عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دیں اور اُن کے کراہنے کی آواز بند ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کے کانوں میں حضرت عباس کے کراہنے کی آواز نہ آئی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا عباس کے کراہنے کی آواز کیوں نہیں آرہی؟ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! ہم نے آپؐ کی تکلیف کے خیال سے اُن کی رسیاں ڈھیلی کر دی ہیں آپؐ نے فرمایا یہ انصاف کے خلاف ہے کہ باقی قیدیوں کو سختی سے جکڑا جائے اور عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دی جائیں۔ جاؤ اور یا تو عباس کی رسیاں بھی کَس دو اور یا پھر باقی قیدیوں کی رسیاں بھی ڈھیلی کر دو۔ [۱۳۷]

قیصرِ روما کے دربار میں ابوسفیان کا اقرار

غرض جس پہلو کے لحاظ سے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جائے آپؐ تعریف ہی کے قابل دکھائی دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب قیصرِ روما نے ابوسفیان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف سوالات کئے تو ہر سوال کے جواب میں اُسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی اور آپ کے کمال کا اعتراف کرنا پڑا۔ جب اس نے پوچھا کہ اس شخص کا خاندان کیسا ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ وہ ایک نہایت معزز خاندان میں سے ہے۔ جب اُس نے پوچھا کہ کیا دعویٰ سے پہلے تم نے کبھی اسے کسی بُرائی میں مبتلاء دیکھا؟ تو اُس نے کہا ہرگز نہیں۔ جب اُس نے پوچھا کہ اس کی عقل اور اصابتِ رائے کا کیا حال ہے؟ تو ابوسفیان کو یہی کہنا پڑا کہ ہم نے اُس کی عقل اور رائے میں کبھی کوئی عیب نہیں دیکھا۔ جب اُس نے پوچھا کہ کیا اُس نے کبھی

بد عہدی بھی کی ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ اس نے آج تک کوئی بد عہدی نہیں کی۔ جب اُس نے پوچھا کہ وہ تمہیں کِن باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔تو ابوسفیان نے کہا کہ ہمیں یہی کہتا ہے کہ ہم سچ بولا کریں، خدائے واحد کی عبادت کیا کریں، وفائے عہد سے کام لیں، امانت اور دیانت کا مادہ اپنے اندر پیدا کریں اور ہر قسم کے ناپاک اور گندے کاموں سے بچیں۔ ۱۳۸ غرض باوجود مخالفت کے اُسے ہر سوال کے جواب میں آپؐ کی طہارت اور پاکیزگی کا اقرار کرنا پڑا اور قیصر روما کے بھرے دربار میں اُسے آپؐ کے مناقب کا ترانہ گانا پڑا کیونکہ خدا نے کہا تھا کہ ہم تجھے مقامِ محمود عطا کرنے والے ہیں۔ آج مکہ والے تجھے بیشک مذمّم کہہ لیں، بیشک ہر قسم کا جھوٹ بول کر تجھے بُرا بھلا کہتے پھریں مگر ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ تیری تعریف قائم کی جائے اور زبانوں اور دلوں پر تیری حمد جاری کی جائے چنانچہ خدا تعالیٰ کی تقدیر ابوسفیان کو قیصر روما کے دربار میں کھینچ کر لے گئی اور شاہی دربار میں اُسے اقرار کرنا پڑا کہ مکہ کے لوگ جھوٹ بولتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً تعریف کے قابل ہیں اور کوئی عیب اُن میں نہیں پایا جاتا۔

موجودہ زمانہ میں مقامِ محمود کی تجلّیات

پھر اللہ تعالیٰ نے اِسی مقامِ محمود کی تجلّیات کو اور زیادہ روشن اور نمایاں کرنے کے لئے اِس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور آپ کے بعد مجھے پیدا کیا اور ہم سے اُس نے آپ کے حُسن کی وہ تعریف کروائی کہ آج اپنے تو الگ رہے بیگانے بھی آپ کی تعریف کر رہے ہیں اور یورپ اور امریکہ میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجتے ہیں مگر یہ تغیر کیوں ہؤا؟ اسی لئے کہ اس روحانی دربارِ خاص کا بادشاہ جس انعام کا اعلان کرتا ہے وہ انعام چلتا چلا جاتا ہے اور کوئی انسان اس کو چھیننے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جب اُس نے اپنے دربار میں یہ اعلان کیا کہ اے ہمارے گورنر جنرل! ہم تجھے ایسے مقام پر پہنچانے والے ہیں کہ دنیا تیری تعریف کرنے پر مجبور ہوگی تو کون شخص تھا جو خدا تعالیٰ کے اس پروگرام میں حائل ہوسکتا۔ اس نے محمدی انوار کی تجلّیات کو روشن کرنا شروع کیا اور اُس کے حُسن کو اتنا بڑھایا کہ دنیا کی تمام

خوبصورتیاں اس حسین چہرہ کے سامنے ماند پڑ گئیں اور دوست اور دشمن سب کے سب یک زبان ہو کر پکار اُٹھے کہ محمدؐ حقیقتاً محمدؐ اور قابلِ تعریف ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

عظیم الشان دربار

غرض یہ کیسا عظیم دربار ہے کہ اس میں بادشاہ کی طرف سے اپنے درباری کو جو انعام دیا گیا وہ دنیا کی شدید مخالفت کے باوجود قائم رہا، قائم ہے اور قائم رہے گا۔ حکومتیں اس روحانی گورنر جنرل کے مقابلہ میں کھڑی ہوئیں تو وہ مٹا دی گئیں، سلطنتوں نے اس کو ترچھی نگاہ سے دیکھا تو وہ تہہ و بالا کردی گئیں، بڑے بڑے جابر بادشاہوں نے اس کا مقابلہ کیا تو وہ مچھر کی طرح مَسل دیئے گئے کیونکہ اس دربارِ خاص کا بادشاہ یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اُس کے مقرر کردہ گورنر جنرل کی کوئی ہتک کرے یا اس کے پہنائے ہوئے جُبّہ کو کوئی اُتارنے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے درباریوں کے لئے بڑا غیور ہے اور سب سے بڑھ کر وہ اِس درباری کے لئے غیرت مند ہے جس کا مبارک نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے خدا تعالیٰ کی اس پر لاکھوں برکتیں اور کروڑوں سلام ہوں۔ اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

۱؎ چَوری: سرا گائیں جن کی دُم کی چَوریاں بادشاہوں اور امیروں کے سر پر ہلاتے ہیں، ایک پنکھا نقرئی

۲؎ بنی اسرائیل: ۱۱۲ ۳؎ البقرۃ: ۲۵۶ ۴؎ سبا: ۴

۵؎ مسند احمدبن حنبل جلد۵ صفحہ ۲۶۶۔المکتب الاسلامی بیروت

۶؎ الشفا۔القاضی ابی الفضل عیاض الجزء الاول صفحہ ۷ مطبوعہ ملتان

۷؎ البقرۃ: ۳۲ تا ۳۴ ۸؎ الاعراف: ۱۲ ۹؎ الاحزاب: ۷۳

۱۰؎ ص: ۶۶ تا ۷۹

۱۱؎ مسلم کتاب البر والصلة باب اذا احب اللہ عبدا احبہٗ لعبادہ

۱۲؎ النجم: ۸ تا ۱۰ ۱۳؎ الانعام: ۱۰۴ ۱۴؎ الانفال: ۱۸

۱۵؎ الاحزاب: ۵۷ ۱۶؎ المدثر: ۲ تا ۸

۱۷؎ المنجد عربی اُردو صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء

۱۸ تا ۲۰ اقرب الموارد الجزء الاول صفحہ ۳۱۹ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۲۱ تاج العروس الجزء الاول صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ مصر ۱۲۸۵ھ
۲۲ البقرة: ۱۸۸ ۲۳ الاحزاب: ۳۴ ۲۴ الشعراء: ۲۱۵
۲۵ تا ۲۷ لسان العرب المجلد الخامس صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء
۲۸ تا ۳۰ لسان العرب جلد ۱۵۔ صفحہ ۳۱ تا ۳۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء
۳۱ ترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی النّظافَة
۳۲ ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب اتّخاذالمساجد فی الدُّوَرِ
۳۳ بخاری کتاب الطهارة باب فَضْلِ التَّھْجِیْرِاِلٰی الظُّھْرِ
۳۴ مسلم کتاب الطهارة باب النهی عنِ التخلی فی الطریق
۳۵ بخاری کتاب الصلوٰة باب کفَّارَة البزاق فی المسجد
۳۶، ۳۷ بخاری کتاب الادب باب مَایُنھٰی عَنِ التَّحَاسُد
۳۸ بخاری کتاب الادب باب رحمة الناس و البھائم
۳۹ بخاری کتاب الادب باب لایسبّ الرجُّلُ وَالدَیْهِ ،بخاری کتاب الادب باب ماینهی من السباب واللعن
۴۰ بخاری کتاب الجمعة باب السّوَاک یومَ الجمعة
۴۱ بخاری کتاب العتق باب فی العتقِ وفضلهٖ
۴۲
۴۳ بخاری کتاب المساقاة۔ باب فضل سقی الماء
۴۴ بخاری کتاب الانبیاء باب حدیث الغار
۴۵ بخاری کتاب الایمان باب اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلٰی اللّٰه اَدْوَمهٗ
۴۶ لسان العرب جلد ۵ صفحہ ۱۴۶۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء
۴۷ السیرة الحلبیة جلد ۱ صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ مطبوعه مطبع ازهریه مصر ۱۹۳۲ء۔
۴۸ مرقاة المفاتیح شرح مشکوة کتاب الدعوات باب الاستعاذة
۴۹ تفسیر کبیر فخر الدین رازی جلد ۲۹ صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ طہران ۱۳۲۸ھ

۵۰؎ **ویویکانند:** ویویکانند اوائلِ عمر میں برہموسماج کا رکن بنا۔ وہ ہمالیہ میں کئی برس تک ریاضت کرنے کے بعد جدید دنیا میں پہلا ہندو مبلّغ بننے کے لئے روانہ ہؤا۔ ویویکانند نے طویل سفر کئے اور ویدانت ہندومت کے فضائل پر لیکچر دیئے۔ اس نے ۱۸۹۳ء میں بمقام شکاگو۔ ''مذاہب کی پارلیمنٹ'' میں ہندومت کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک زبردست تأثر قائم کیا۔ خدا کی وحدانیت کا یہ ترجمان جہاں بھی گیا سامعین کے ذہن پر چھا گیا اور اپنے پیروکار بنائے۔ (مذاہبِ عالَم کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۹۹۔ لیوس مور مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء)

۵۱؎ **ٹیگور:** اس کا پورا نام دیوندر ناتھ ٹیگور تھا۔ ٹیگور نے ۱۸۴۲ء میں برہموسماج میں شامل ہو کر ہندوازم کی تجدید کی اور جماعت کی قیادت سنبھالی۔ انہوں نے اس تحریک کی خدمت کے لئے ایک مطبع اور رسالہ جاری کیا اس کی پرورش فرقہ وارانہ ماحول میں نہیں ہوئی اس لئے یہ تنگ نظر نہیں تھا۔ (مذاہبِ عالَم کا تقابلی مطالعہ مؤلفہ غلام رسول مہر صفحہ ۲۱۴۔ مطبوعہ لاہور جنوری ۱۹۸۳ء)

۵۲؎ ال عمران: ۱۰۵

۵۳؎ موضوعات ملّاعلی قاری صفحہ ۵۹ مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۴۶ھ

۵۴۔۵۵؎ لسان العرب جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۷۔ بیروت ۱۹۸۸ء

۵۶؎ اقرب الموارد جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۸ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۵۷؎

۵۸؎ المائدة: ۶۸ ۵۹؎ طٰہٰ: ۱۵، ۱۶

۶۰؎ السیرة الحلبیة۔ الجزء الاول صفحہ ۳۶۸۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

۶۱؎ المائدة: ۶۸

۶۲؎ اسد الغابة جلد ۳ صفحہ ۲۲۱ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

۶۳؎ بخاری کتاب فضائل اصحاب النّبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب مناقب المھاجرین و فضلھم

۶۴؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۶۵؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوة ذات الرقاع ،شرح مواھب اللّدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۳۰ دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۶ء

۶۶ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۸۴ مطبوعہ ۱۲۹۵ھ مصر
۶۷ مسلم کتاب الجھاد و السیرباب غزوة حنین
۶۸ تاریخ طبری جلد دوم حصّہ اوّل اُردو صفحہ ۳۵۴ ناشر دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۳ء
۶۹ تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۹ ۔ دار الفکر بیروت ۱۹۸۷ء
۷۰ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۷۱ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۸۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۷۲ عبس: ۲ ۱ تا ۱۷
۷۳ سیرت ابن ھشام جلد ۱ صفحہ ۴۶۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۷۴، ۷۵ سیرت ابن ھشام۔ الجزء الاول صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۷۶ بخاری کتاب الزّکوٰة باب من احب تعجیل الصدقة من یومھا
۷۷ مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۱۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء
۷۸ بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش
۷۹۔ ۸۰ اسد الغابة جلد ۳ صفحہ ۳۱۳ تا ۳۱۷۔ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ
۸۱
۸۲ القصص: ۸۶ ۸۳ سبا: ۲۹ ۸۴ التوبة: ۱۰۰
۸۵ الحشر: ۱۱ ۸۶ الحجر: ۴۶ تا ۴۸ ۸۷ الفتح: ۳۰
۸۸ سیرت ابن ھشام الجزء الاول صفحہ ۲۸۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء
۸۹ بخاری کتاب المغازی باب قصّہ الاسود العنسی
۹۰ بخاری کتاب الجنائز باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم
۹۱ شمائل الترمذی باب ماجاء فی صفة مزاح رسول الله صلی الله علیه وسلم
۹۲ بخاری کتاب الاذان باب انتظار الناس۔ قیام الامام العالم
۹۳ سیرت ابن ھشام الجزء الثانی صفحہ ۱۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۹۴ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۵۔ مطبوعہ لاھور ۱۸۹۲ء

۹۵ کنز العمال جلد۱۰ صفحہ۱۹۳ کتاب الغزوات باب غزوۃ احد الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۸ء مطبع دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان

۹۶ سیرت ابن ھشام الجزء الثانی صفحہ ۶۹ امطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۹۷ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ کُنت مُتَّخِذًا خَلِیْلًا

۹۸

۹۹، ۱۰۰ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الفتح باب قولہٖ لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ

۱۰۱ الکوثر: ۲تا۴

۱۰۲ لسان العرب جلد۱۲ صفحہ۳۷۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء

۱۰۳

۱۰۴ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلّم لو کنت متخذًا خلیلًا

۱۰۵ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد۳ صفحہ۳۸۵، ۳۸۶ مطبوعہ بیروت ۱۲۸۶ھ

۱۰۶ سیرت ابن ھشام جلد۲ صفحہ۲۱۹ مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۱۰۷ سیرت ابن ھشام جلد۲ صفحہ۲۱۵ مطبوعہ مصر۱۲۹۵ھ

۱۰۸ مسند احمد بن حنبل جلد۳ صفحہ۳۰۴ بیروت ۱۹۲۸ء

۱۰۹ المائدۃ: ۲۵

۱۱۰ بخاری کتاب المغازی باب قصۃ غزوۃ بدر

۱۱۱ اٰل عمران: ۱۶۵

۱۱۲ خروج باب ۱۳ آیت ۱۷ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لنڈن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

۱۱۳ ق: ۳۹

۱۱۴ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت: ۵۷)

۱۱۵ ھُوَالَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰئِفَ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْہِ کُفْرُہٗ (فاطر: ۴۰)

۱۱۶ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰)

۱۱۷ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ (المؤمن: ۸)

۱۱۸ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (البروج: ۲)

۱۱۹ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (السجدة: ۱۸)

۱۲۰ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: ۷۳)

۱۲۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى۔ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (طٰہٰ: ۳،۴)

۱۲۲ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (حٰم السجدة: ۴۷)

۱۲۳ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرة: ۲۲۰)

۱۲۴ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت: ۴۶)

۱۲۵ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرة: ۱۸۴)

۱۲۶ لسان العرب جلد ۱۲ صفحہ ۳۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء

۱۲۷ بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسٰی ابْنِ مریم

۱۲۸ بنی اسرائیل: ۸۰

۱۲۹

۱۳۰ بخاری کتاب الجهاد باب السرعة والرکض فی الفزع

۱۳۱ السیرة الحلبیة جلد ۱ صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

۱۳۲ بخاری کتاب الصوم باب۔ اَجْوَدُمَا کان النَّبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَكُوْنَ فِی رمضان

۱۳۳ بخاری کتاب الادب باب الحیاء

۱۳۴ بخاری کتاب الادب باب رحمة الولدو تقبیلہٖ ومعانقتہٖ

۱۳۵ بخاری کتاب الجنائز باب قول النَّبی صلی اللہ علیہ وسلم یُعَذَّبُ المیت ببعض بکاء اھلہٖ

۱۳۶ بخاری کتاب الحدود باب کراھیة الشفاعة فی الحد

۱۳۷ اسد الغابة جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ء

۱۳۸ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی اِلٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم